دیکھی ہوئی دنیا

جلد: ٦

قرآن اور حدیث میں آئے ہوئے بہت سارے متبرّک مقامات کے آنکھوں دیکھے تازہ احوال اور وکٹوریا آبشار کی کارگزاری

حضرت مولانا مفتی محمود بن مولانا سلیمان حافظ جی حفظہ اللہ تعالیٰ

خادمِ تفسیر وحدیث: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، گجرات

خادمِ حدیث شریف: جامعہ دار الاحسان بارڈولی، گجرات

نورانی مکاتب

www.nooranimakatib.com

تفصیلات

کتاب کا نام : دیکھی ہوئی دنیا جلد: ٦

از : حضرت مفتی محمود صاحب حافظی

صفحات : ۲۵٦

سن اشاعت : شعبان ۱۴۴۴ھ مارچ ۲۰۲۳ء

ناشر : نورانی مکاتب

نورانی مکاتب 8140902756

ادارۃ الصدیق ڈابھیل، گجرات 9913319190

مدرسہ گلشنِ خدیجۃ الکبریٰ، اون، سورت 9898371086 9714814566

دار المکاتب کاپودرا 9824289750 9712005458

مولانا صدیق احمد ابن مفتی محمود صاحب حافظ جی، مدرسہ فاطمۃ الزہراء، دیسائی نگر، مریم مسجد، باڑدولی، سورت، گجرات 9157174772

مولانا بلال صاحب گورا گودھرا 9726293096

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	عناوین	صفحہ نمبر
❁	پیش لفظ	۲۱
❁	سفر کا پس منظر	۲۱
❁	لمبے عرصے سے ایک تمنا	۲۲
❁	مکہ اور مدینہ کے ارد گرد مقامات کا سفر	۲۲
❁	اِن مقامات کا سفر کرنے کے لیے کافی انتظار کرنا پڑا	۲۳
مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے متبرک مقامات کی دل چسپ کارگزاری		
۱	ہمارے اِس سفر کے ساتھی	۲۶
۲	مقاماتِ زیارات کا اجمالی خاکہ	۲۷
۳	اِس سفر کی نیت و مقاصد	۳۰
۴	۲۱/اکتوبر ۲۰۲۲ء، مطابق: ۲۴/ربیع الاول ۱۴۴۴ھ بروز جمعہ	۳۲
۵	۲۲/اکتوبر ۲۰۲۲ء، مطابق: ۲۵/ربیع الاول ۱۴۴۴ھ بروز سنیچر سب سے پہلی زیارت	۳۳
۶	جموم (Jumum) کا تعارف	۳۳
۷	کفر و شرک کے خاتمے پر خوشی	۳۳
۸	ابوسفیان کی گرفتاری	۳۴
۹	آپ ﷺ کی جنگی حکمتِ عملی	۳۵
۱۰	ابوسفیان کا اسلام	۳۵

نمبر	عنوان	صفحہ
۱۱	اسلامی لشکر کا نظارہ	۳۶
۱۲	یہ بادشاہت نہیں، نبوت ہے!	۳۷
۱۳	مسجدِ فتح (جموم)	۳۸
۱۴	مجنّہ (زمانۂ جاہلیت کا مشہور) بازار	۳۸
۱۵	مجنہ کا بازار مادّی اور فکری ضرورتوں کا مرکز	۳۹
۱۶	عُکاظ کا بازار	۳۹
۱۷	ذوالمجاز کا بازار	۳۹
۱۸	وادیٔ عُسفان (osfan)	۴۰
۱۹	وادیٔ ازرق	۴۱
۲۰	وادیٔ ہرشی	۴۲
۲۱	حالتِ احرام میں اونی جبہ؟	۴۳
۲۲	فجِ روحاء	۴۳
۲۳	بیرِ تفلہ (وہ کنواں جس میں آپ ﷺ نے اپنا مبارک لعاب ڈالا تھا)	۴۴
۲۴	آپ ﷺ کے لعابِ دہن سے کنویں کا پانی میٹھا ہو گیا	۴۴
۲۵	حجازِ مقدس کی سب سے پہلی جیل	۴۵
۲۶	سریہ حضرت غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	۴۵
۲۷	اللہ تعالیٰ کی مدد	۴۶
۲۸	غرّان (غزوۂ بنولحیان کی جگہ)	۴۶
۲۹	سلافہ بن سعد کی قسم	۴۷
۳۰	سفیان بن خالد کی گندی سازش اور واقعہ رجیع	۴۷
۳۱	حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش کی حفاظت کا غیبی انتظام	۵۰

۳۲	حضرت خبیب اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما کی گرفتاری	۵۱
۳۳	حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے پاکیزہ اخلاق کا ایک واقعہ	۵۱
۳۴	بے موسم پھل: حضرت خبیب رضی اللہ تعالٰی عنہ کی کرامت	۵۳
۳۵	سنّتِ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ	۵۳
۳۶	اپنے محبوب کی خدمت میں آخری سلام	۵۵
۳۷	چہرہ قبلے کی طرف	۵۵
۳۸	حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کو زمین نے نگل لیا	۵۵
۳۹	حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا قصہ	۵۶
۴۰	بدلے کی کارروائی	۵۸
۴۱	وادیٔ قدید (جس جگہ "مناۃ" نام کا بت تھا) سریہ حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ	۵۹
۴۲	حضرت امّ معبد رضی اللہ عنہا کا خیمہ	۶۰
۴۳	آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا معجزہ	۶۱
۴۴	حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر کا ایمان	۶۱
۴۵	اِس واقعے کا دوسرا پہلو	۶۴
۴۶	ہاتفِ غیبی کے اشعار	۶۴
۴۷	سراقہ بن مالک کے زمین میں دھنسنے کی جگہ	۶۵
۴۸	سراقہ کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پیچھا کرنا	۶۵
۴۹	سراقہ کے گھوڑے کا زمین میں دھنس جانا	۶۶
۵۰	صادق المصدوق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیشین گوئی	۶۷
۵۱	کسریٰ کے کنگن سراقہ کے دستانوں میں!	۶۷
۵۲	غدیرِ خم	۶۸

٥٣	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ	٦٨
٥٤	یوم غدیرِ خم اور روافض کا طرزِ عمل	٦٩
٥٥	"علی مولیٰ" یا "مولیٰ علی" کہنا کیسا ہے؟	٦٩
٥٦	سرّیہ حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ (بطنِ رابغ)	٧١
٥٧	اسلام میں سب سے پہلا تیر	٧٢
٥٨	غزوۂ ودّان (ابواء) کی جگہ	٧٣
٥٩	مخشی بن عمرو کے ساتھ معاہدہ	٧٤
٦٠	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کا مدینہ کا سفر	٧٤
٦١	بچپن کا ہر واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں نقش تھا	٧٤
٦٢	آمنہ نے بھی اپنے لختِ جگر کا ساتھ چھوڑ دیا	٧٥
٦٣	ماں آمنہ کے تسلی بھرے الفاظ	٧٥
٦٤	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کی قبر پر حاضری	٧٥
٦٥	ودّان میں مغرب کی نماز	٧٦
٦٦	ایک شخص کا ہماری نگرانی کرنا	٧٧
٦٧	مقام اور جگہ میں برکت قرآن و حدیث سے	٧٧
٦٨	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حدیبیہ کا درخت کٹوا دینا	٧٨
٦٩	ینبوع میں رات کا قیام	٧٩
٧٠	عرفان بھائی کا تعارف	٨٠
٧١	غزوۂ بواط کی جگہ	٨١
٧٢	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عجیب جنگی حکمتِ عملی	٨١

۷۳	غزوۂ ذی العُشَیرہ کی جگہ	۸۲
۷۴	اسلام میں سب سے پہلا غزوہ	۸۲
۷۵	غزوۂ عُشَیرہ کا پس منظر	۸۳
۷۶	غزوۂ عُشَیرہ	۸۴
۷۷	آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روانگی	۸۴
۷۸	عشیرہ کی کھجوریں	۸۵
۷۹	مقامِ عیص اور سریۂ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی جگہ	۸۵
۸۰	دار الندوہ میں مشورہ	۸۶
۸۱	اسود بن مطلب کا مشورہ	۸۶
۸۲	قافلہ بچ کر نکل نہ پائے	۸۶
۸۳	اب کی بار قافلہ پکڑ میں آگیا	۸۷
۸۴	جامع ابو بصیر رضی اللہ عنہ	۸۸
۸۵	حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری	۸۸
۸۶	صلحِ حدیبیہ کی ایک شرط	۸۸
۸۷	حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کا واقعہ	۸۹
۸۸	حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کی عاجزی	۸۹
۸۹	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ سوالات	۹۰
۹۰	صادق المصدوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے دوست	۹۱
۹۱	یارِ غار ہر ادا میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ	۹۱
۹۲	ابن الدغنہ کے پرتسلی الفاظ	۹۲

۹۳	معاہدے کی تکمیل	۹۳
۹۴	حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مشورہ	۹۴
۹۵	آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعا	۹۵
۹۶	آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بال مبارک	۹۵
۹۷	کھلم کھلی جیت	۹۵
۹۸	یہ کیسی جیت ہے؟	۹۶
۹۹	لیڈر کیسا ہو؟	۹۷
۱۰۰	حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کی مکہ سے مدینہ ہجرت	۹۷
۱۰۱	حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کا مقامِ سیف البحر پر ڈیرہ ڈالنا	۹۷
۱۰۲	لو! شکاری خود اپنی جال میں آگیا	۹۸
۱۰۳	قریش کی اس واپسی والی شرط ختم کرنے کی سامنے سے پیش کش	۹۸
۱۰۴	حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کا خط پڑھتے پڑھتے انتقال	۹۹
۱۰۵	اِس واقعے سے ملنے والا ایک اہم سبق	۹۹
۱۰۶	حجر کے راستے میں۔مدائنِ صالح	۱۰۰
۱۰۷	''حجر'' کی تاریخ	۱۰۱
۱۰۸	لفظِ ''حجر'' کی تحقیق	۱۰۱
۱۰۹	حضرت آدم علیہ السلام سے دنیا کی ابتدا	۱۰۲
۱۱۰	ہم سب حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں	۱۰۲
۱۱۱	ثمود نام کی وجہ	۱۰۳
۱۱۲	قومِ ثمود کے متعلق کچھ باتیں	۱۰۴

۱۱۳	مقبروں کی تعمیر	۱۰۴
۱۱۴	حضرت صالح علیہ السلام	۱۰۵
۱۱۵	معجزہ طلب کرنا بڑا خطرناک ہے	۱۰۵
۱۱۶	چٹان سے گابھن اونٹنی کا باہر نکلنا	۱۰۶
۱۱۷	اللہ تعالیٰ کی اونٹنی	۱۰۶
۱۱۸	یہ اونٹنی بڑی عجیب تھی!	۱۰۶
۱۱۹	اللہ تعالیٰ کی عجیب شان!	۱۰۷
۱۲۰	عورت اور مال ہی سے دنیا میں تباہی مچی ہے	۱۰۷
۱۲۱	حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے قتل کی سازش	۱۰۸
۱۲۲	ثمود کے نو سردار	۱۰۹
۱۲۳	نافرمانوں کو عذابِ الٰہی سے کون بچا سکتا ہے؟	۱۱۰
۱۲۴	عذابِ الٰہی سے بچانے والی دو چیزیں	۱۱۰
۱۲۵	اللہ تعالیٰ کا عذاب کس طرح آیا؟	۱۱۱
۱۲۶	دو قسم کے عذاب	۱۱۲
۱۲۷	دونوں آیتوں کے مابین تطبیق	۱۱۳
۱۲۸	ہمارے لیے عبرت کا سامان	۱۱۳
۱۲۹	عذاب والی بستی میں کبھی کسی نیک آدمی کا دل نہیں لگ سکتا	۱۱۴
۱۳۰	آج اس عبرت کی جگہ کو تفریح گاہ بنایا جا رہا ہے!	۱۱۴
۱۳۱	اس علاقے سے گزرتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل	۱۱۵
۱۳۲	آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی جگہ جانے سے منع فرمایا	۱۱۶

۱۳۳	ان علاقوں سے روتے ہوئے گزر جانا چاہیے	۱۱۷
۱۳۴	ایک اہم مشورہ	۱۱۸
۱۳۵	وادیٔ مشقّق	۱۱۸
۱۳۶	تبوک شہر میں	۱۱۹
۱۳۷	''مسجد الرسول'' کی زیارت	۱۱۹
۱۳۸	تبوک میں رات کا قیام	۱۲۰
۱۳۹	''مسجد الرسول'' میں فجر کی نماز پڑھنے کی سعادت	۱۲۰
۱۴۰	تبوک میں صبح کا ناشتہ	۱۲۱
۱۴۱	غزوہ تبوک کے متعلق کچھ تمہیدی باتیں	۱۲۲
۱۴۲	اس غزوہ کے الگ الگ نام	۱۲۳
۱۴۳	غزوۂ تبوک کی وجوہات	۱۲۳
۱۴۴	مدینہ والوں کا حال	۱۲۴
۱۴۵	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سوال	۱۲۵
۱۴۶	دشمنوں کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدبیر	۱۲۵
۱۴۷	جنگ کی تیاری	۱۲۶
۱۴۸	چندے کی اپیل	۱۲۶
۱۴۹	صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا چندہ دینا	۱۲۷
۱۵۰	ابوبکر سے آگے کوئی نہیں نکل سکتا!	۱۲۷
۱۵۱	حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی سخاوت	۱۲۸
۱۵۲	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامان کی تفصیل	۱۲۹

۱۵۳	صدقہ کرنے کے لیے محنت کی کمائی کرنا	۱۲۹
۱۵۴	محنت اور اخلاص کا پھل	۱۲۹
۱۵۵	ایک غریب صحابی: حضرت ابو عقیل انصاری رضی اللہ عنہ کا چھوٹا سا نذرانہ	۱۳۰
۱۵۶	منافقین کا طعنہ دینا	۱۳۰
۱۵۷	کھانے پینے اور سواری کی کمی	۱۳۱
۱۵۸	مفلس اور غریب صحابہ رضی اللہ عنہم کے آنسوں	۱۳۱
۱۵۹	اشکِ ندامت	۱۳۲
۱۶۰	نصیبوں کی بات	۱۳۳
۱۶۱	رات کو صدقہ کرنے والا	۱۳۳
۱۶۲	اجازت سے انکار	۱۳۴
۱۶۳	منافقوں کی چالیں	۱۳۴
۱۶۴	لشکر کی ترتیب	۱۳۶
۱۶۵	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبوک کی طرف روانگی	۱۳۶
۱۶۶	وفاداری کی رسم	۱۳۶
۱۶۷	یہ غزوہ ایک آزمائش تھی	۱۳۷
۱۶۸	اکیلا چلے گا اور اکیلا ہی مرے گا	۱۳۷
۱۶۹	آخر کار وہی ہوا جیسا سرکار نے فرمایا تھا	۱۳۸
۱۷۰	حضرت ابو الخیثمہ رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری	۱۳۹
۱۷۱	وہ کہاں ہے؟	۱۴۰
۱۷۲	میں وہی بات کہتا ہوں جو میرے رب بتلاتے ہیں	۱۴۰

۱۷۳	خوش نصیب صحابی! یہ نصیب اللہ اکبر!	۱۴۱
۱۷۴	آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تبوک میں قیام	۱۴۱
۱۷۵	تبوک میں اسلام کی دعوت	۱۴۲
۱۷۶	دشمن مقابلے پر نہیں آیا	۱۴۲
۱۷۷	واپسی	۱۴۳
۱۷۸	منافق-خون کے پیاسے	۱۴۳
۱۷۹	اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رازداں	۱۴۴
۱۸۰	اس سفر میں منافقوں کی اصلیت سامنے آگئی	۱۴۴
۱۸۱	مسجدِ ضرار منافقوں کی چال	۱۴۶
۱۸۲	سازش کا اڈّہ خاک کے سپرد	۱۴۷
۱۸۳	نحوست ہی نحوست	۱۴۸
۱۸۴	آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ منورہ واپسی	۱۴۸
۱۸۵	غزوۂ تبوک کا اثر اور نتیجہ	۱۴۹
۱۸۶	تبوک کا چشمہ (عین السکر) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عجیب معجزہ	۱۴۹
۱۸۷	چشمے سے پانی بہنا	۱۵۰
۱۸۸	اس چشمے کے متعلّق آپ کی پیشین گوئی	۱۵۱
۱۸۹	ہریالی میں دن بہ دن اضافہ	۱۵۱
۱۹۰	تبوک کا قلعہ	۱۵۱
۱۹۱	حضرت ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری	۱۵۲
۱۹۲	حضرت ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کا تعارف	۱۵۲

۱۹۳	ذوالبجادین نام کی وجہ	۱۵۳
۱۹۴	اللہ کے سامنے بہت گڑگڑانے والے تھے	۱۵۳
۱۹۵	سفرِ تبوک میں حضرت حضرت ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کا انتقال	۱۵۴
۱۹۶	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت	۱۵۴
۱۹۷	مدین کے علاقے میں	۱۵۵
۱۹۸	مدین نام کی وجہ	۱۵۶
۱۹۹	فنِ تعمیر میں مہارت	۱۵۶
۲۰۰	عینِ موسیٰ علیہ السلام	۱۵۷
۲۰۱	بارہ چشمے ہی کیوں جاری ہوئے؟	۱۵۸
۲۰۲	مدین کے "البدع" نامی شہر میں رات کا قیام حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مبارک کنواں	۱۵۹
۲۰۳	ایک ہی ملّے سے کام تمام	۱۶۰
۲۰۴	آج کے حالات کے اعتبار سے ایک اہم نکتہ	۱۶۱
۲۰۵	آج کے حکم رانوں کا حال	۱۶۲
۲۰۶	دوسرے دن کا واقعہ	۱۶۲
۲۰۷	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا مشورہ	۱۶۳
۲۰۸	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصر سے مدین کی طرف ہجرت	۱۶۴
۲۰۹	راستے میں آپ علیہ السلام کا تکلیفیں برداشت کرنا	۱۶۴
۲۱۰	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین میں داخلہ	۱۶۵
۲۱۱	ان دونوں لڑکیوں کی پاک دامنی	۱۶۶

۱۶۷	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان کی بکریوں کو پانی پلانا	۲۱۲
۱۶۷	پانی پلانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طرزِ عمل	۲۱۳
۱۶۸	خدمت کرنے والوں کے لیے ایک درسِ عبرت	۲۱۴
۱۶۸	مدین کا دوسرا کنواں	۲۱۵
۱۶۹	نبی کی بے مثال عفت اور بے غرضی	۲۱۶
۱۶۹	حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی بیٹیوں سے سوال	۲۱۷
۱۷۰	حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکی کی حیا	۲۱۸
۱۷۱	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کمالِ احتیاط	۲۱۹
۱۷۱	حضرت شعیب علیہ السلام سے بات چیت	۲۲۰
۱۷۲	لڑکی کی اپنے والد سے ایک پیشکش	۲۲۱
۱۷۳	خادم کیسے ہونے چاہییں؟	۲۲۲
۱۷۳	انسانوں کی صحیح پہچان یہ بھی ایک فن ہے	۲۲۳
۱۷۳	حضرت شعیب علیہ السلام کی فراست	۲۲۴
۱۷۴	رشتہ کرتے وقت دین داری دیکھنی چاہیے	۲۲۵
۱۷۵	اخلاص کی برکت	۲۲۶
۱۷۵	یہ شیخ کون تھے؟	۲۲۷
۱۷۵	خسر ابا کا داماد کو عجیب ہدیہ	۲۲۸
۱۷۶	مدین سے مصر واپسی	۲۲۹
۱۷۷	حضرت شعیب علیہ السلام کو مدین والوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا جانا	۲۳۰
۱۷۷	اس قوم کی کچھ برائیاں	۲۳۱

۲۳۲	ہمیں بھی اس چیز سے بچنا چاہیے	۱۷۸
۲۳۳	اس قوم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب	۱۷۸
۲۳۴	آج معاملات میں جھوٹ بہت عام ہے	۱۸۰
۲۳۵	سریۂ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ	۱۸۰
۲۳۶	وادیٔ القریٰ	۱۸۱
۲۳۷	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمتِ عملی	۱۸۱
۲۳۸	آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلا وجہ جنگ کو پسند نہیں فرماتے تھے	۱۸۲
۲۳۹	خیبر کے راستے میں ابورافع کے قتل کی جگہ	۱۸۲
۲۴۰	ابورافع کا قتل	۱۸۳
۲۴۱	قبیلۂ خزرج کے نوجوانوں کی درخواست	۱۸۳
۲۴۲	حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کی چالاکی	۱۸۳
۲۴۳	ابورافع کا کام تمام	۱۸۴
۲۴۴	حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کی پنڈلی ٹوٹ گئی	۱۸۴
۲۴۵	سریۂ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ	۱۸۵
۲۴۶	”حاشی باشا“ میں مجلسِ طعام	۱۸۶
۲۴۷	یوتیوب چینل کی وجہ سے پہچان	۱۸۶
۲۴۸	خیبر میں رات کا قیام	۱۸۷
۲۴۹	خیبر: یہودیوں کا مرکز	۱۸۷
۲۵۰	خیبر نام پڑنے کی وجہ	۱۸۹
۲۵۱	خیبر کے قلعے	۱۸۹

۲۵۲	یہود بھی فنِ تعمیر میں ماہر تھے	۱۸۹
۲۵۳	یہود کی خیبر میں آباد ہونے کی وجہ	۱۹۰
۲۵۴	تبع کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مکان تعمیر کرنا	۱۹۱
۲۵۵	حسد اور ضد کی وجہ سے ایمان سے محرومی	۱۹۲
۲۵۶	یہود کی ضد حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی زبانی	۱۹۳
۲۵۷	اوس اور خزرج کی مدینہ میں آمد	۱۹۴
۲۵۸	ایک ظالم یہودی بادشاہ	۱۹۴
۲۵۹	مالک بن عجلان کی بہن کی چالاکی	۱۹۵
۲۶۰	اس ظالم کے ظلم کا خاتمہ	۱۹۶
۲۶۱	آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدائش سے پہلے بھی سراسر رحمت تھے	۱۹۶
۲۶۲	غزوۂ خیبر کا پس منظر	۱۹۷
۲۶۳	حیی بن اخطب کی سازش	۱۹۸
۲۶۴	حیی بن اخطب کا مقصد	۱۹۸
۲۶۵	سورۂ فتح کا وعدہ پورا ہوا	۱۹۹
۲۶۶	جنگ کے لیے تدبیر	۲۰۰
۲۶۷	لشکر کی ترتیب	۲۰۰
۲۶۸	مقامِ رجیع میں لشکر کا کیمپ	۲۰۱
۲۶۹	خیبر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑاؤ	۲۰۲
۲۷۰	خیبر برباد ہو گیا	۲۰۳
۲۷۱	جنت کا خزانہ	۲۰۳

۲۷۲	قتال کے وقت بھی مولائے حقیقی کے ذکر کی ترغیب	۲۰۴
۲۷۳	ایمان والے اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں	۲۰۵
۲۷۴	اسلامی جھنڈے	۲۰۵
۲۷۵	پہلے دن کی لڑائی	۲۰۶
۲۷۶	حضرت خبّاب رضی اللہ عنہ کا مشورہ	۲۰۶
۲۷۷	قلعۂ ناعم کی فتح	۲۰۷
۲۷۸	قلعۂ صعب بن معاذ کی فتح	۲۰۷
۲۷۹	قلعۂ نطاۃ کی فتح	۲۰۸
۲۸۰	قلعۂ اُبی کی فتح	۲۰۸
۲۸۱	قلعۂ بر	۲۰۹
۲۸۲	قلعۂ قلہ	۲۰۹
۲۸۳	قلعۂ قموص	۲۱۰
۲۸۴	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعلان	۲۱۰
۲۸۵	آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مصداق	۲۱۱
۲۸۶	کسی کو صحیح راستے پر لانے کی فضیلت	۲۱۱
۲۸۷	مرحب کے خاتمے کے ساتھ یہود کی سرکشی کا بھی خاتمہ	۲۱۲
۲۸۸	قلعۂ نزار	۲۱۳
۲۸۹	کتیبہ، وطیح اور سلالم کی فتح	۲۱۴
۲۹۰	یہودیوں کی پیش کش	۲۱۵

۲۹۱	یہود کی خیانت	۲۱۵
۲۹۲	خیبر کے شہداء	۲۱۶
۲۹۳	بغیر عمل کے جنّت میں داخلہ	۲۱۶
۲۹۴	مالِ غنیمت	۲۱۷
۲۹۵	مالِ غنیمت کی تقسیم	۲۱۷
۲۹۶	انصاف کی وجہ سے ہی زمین وآسمان قائم ہیں	۲۱۸
۲۹۷	آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا معجزہ گوشت نے کہا: مجھ میں زہر ہے	۲۱۹
۲۹۸	آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبھی اپنی ذات کے لیے بدلہ نہیں لیا	۲۱۹
۲۹۹	آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شہید بھی ہیں	۲۲۰
۳۰۰	حبشہ کے مہاجرین کی آمد	۲۲۰
۳۰۱	ایک مردِ مؤمن کا اخلاص	۲۲۱
۳۰۲	خودکشی حرام ہے	۲۲۲
۳۰۳	جنّت میں سوائے مؤمن کے اور کوئی نہیں جائے گا	۲۲۲
۳۰۴	حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا خواب	۲۲۳
۳۰۵	حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح	۲۲۴
۳۰۶	سادگی کے ساتھ نکاح	۲۲۴
۳۰۷	حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی ذہانت	۲۲۵
۳۰۸	آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ولیمہ	۲۲۵

نمبر	عنوان	صفحہ
۳۰۹	آپ ﷺ کی یہ سادگی امت کے لیے ایک سبق	۲۲۶
۳۱۰	خیبر کی فتح کے متعلق آیات کا نزول	۲۲۶
۳۱۱	خیبر سے بہت سارے اسلامی احکام وابستہ ہیں	۲۲۸
۳۱۲	مقامِ فدک میں	۲۲۹
۳۱۳	سریۂ حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ	۲۲۹
۳۱۴	حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی چالاکی	۲۳۰
۳۱۵	سریۂ حضرت غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	۲۳۰
۳۱۶	فدک کا مقبرہ	۲۳۱
۳۱۷	فدک کی زمین	۲۳۱
۳۱۸	مالِ فیٔ کا حکم	۲۳۲
۳۱۹	انبیا کا کوئی وارث نہیں ہوتا	۲۳۲
۳۲۰	فدک کے قدیم علاقے پر ایک طائرانہ نظر	۲۳۳
۳۲۱	مسجدیں کچی تھیں؛ لیکن نمازی پکے تھے	۲۳۳
۳۲۲	قدیم زمانے کی یاد تازہ ہوگئی	۲۳۴
۳۲۳	پیارے آقا ﷺ کے بالاخانے کی سیڑھیاں بھی کھجور کے شہتیروں کی	۲۳۵
۳۲۴	فدک کی زیارت بھی کرنی چاہیے	۲۳۵
۳۲۵	مکانات کے متعلق چند ضروری باتیں	۲۳۶
۳۲۶	سریۂ حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ	۲۳۷
۳۲۷	غزوۂ غطفان	۲۳۸

۳۲۸	آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟	۲۳۹
۳۲۹	سریہ حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ	۲۴۰
۳۳۰	سریہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ	۲۴۱
۳۳۱	غزوہ ذات الرقاع (نجد)	۲۴۲
۳۳۲	اس غزوے میں پیش آنے والی مشقت	۲۴۲
۳۳۳	آج کل ہمارا حال	۲۴۳
۳۳۴	مال کے ساتھ وقت کی بھی بربادی	۲۴۳
۳۳۵	سریہ حضرت ابوعبیدہ بن الجرّاح رضی اللہ عنہ	۲۴۴
۳۳۶	اختتامی کلمات: ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کا مخصوص انعام	۲۴۵
۳۳۷	ان مقامات کی زیارت کا فائدہ	۲۴۶

وکٹوریا آبشار (Victoria Waterfalls) کی کارگزاری

۳۳۸	تمہید	۲۴۹
۳۳۹	بمبئی سے لوساکا (Lusaka)	۲۵۰
۳۴۰	قدرتی پردہ کی شکل	۲۵۱
۳۴۱	سات عجائبات	۲۵۱
۳۴۲	پانی کا عجیب وغریب رنگوں کا نظارہ	۲۵۲
۳۴۳	پانی کا تیز بہاؤ اور عجیب پتھر	۲۵۳
۳۴۴	پانی کے تیز بہاؤ میں پتھروں پر عجیب جمے ہوئے درخت	۲۵۳
۳۴۵	عجیب قوس قزح (Rain bow)	۲۵۴

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدَانَا لِلْإِسْلَامِ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَشَفِيْعَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَذُرِّيَاتِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ وَأَهْلِ طَاعَتِهِ، وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا، أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ.

ترجمہ: پکی بات یہ ہے کہ ان کے واقعات میں عقل والوں کے لیے عبرت کا بڑا سامان ہے۔

وقال تعالٰی فی مقام اٰخر:

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ

ترجمہ: (اے نبی!) تم (ان کو) واقعات سناتے رہو؛ تاکہ وہ غور وفکر سے کام کریں۔

سفر کا پس منظر

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اس کمزور بندے کو دین کی تبلیغ ودعوت کے سلسلے میں دنیا کے مختلف ملکوں کا سفر کرنے کی سعادت عطا فرمائی ہے، اسی نسبت سے بہت سارے ممالک میں بارہا آنا جانا رہتا ہے اور وہاں کے تاریخی مقامات کی بھی زیارت نصیب ہوتی رہتی ہے، نیز قرآنِ کریم اور احادیثِ مبارکہ میں جن مقامات کا تذکرہ ہے وہاں جانے کی بھی سعادت نصیب ہوئی ہے؛ گویا ارضِ قرآن وارضِ حدیث (قرآن اور

حدیث میں آئے ہوئے کئی متبرّک مقامات) کی زیارت کی پہلے سعادت حاصل ہوئی ہے، الحمدللہ علی ذلك!

لمبے عرصے سے ایک تمنا

ایک لمبے عرصے سے دِل میں یہ چاہت تھی کہ مملکتِ سعودیہ عربیہ میں مکۃ المکرمہ اور مدینہ منورہ یہ دو مقام ہیں اور یہ دونوں مقام پورے عالم کے مسلمانوں کے لیے دینی اور روحانی مراکز ہیں۔ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ میں ہی قرآنِ کریم اور آحادیثِ مبارکہ کے آثار موجود ہیں؛ حالاں کہ مملکتِ سعودیہ میں بہت سارے ایسے مقامات ہیں جن کے ساتھ قرآنِ کریم واحادیثِ مبارکہ کے واقعات کا بڑا گہرا رشتہ ہے۔

مکہ اور مدینہ کے اردگرد مقامات کا سفر

قرآنِ کریم اور احادیثِ مبارکہ میں جن مقامات اور واقعات کا تذکرہ آیا ہے، ان میں سے بہت سارے مقامات پر حاضری کی سعادت حاصل ہوئی ہے؛ لیکن ارضِ مقدّس (حجازِ مقدس) میں جن مقامات پر اللہ تعالیٰ کے آخری نبی: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تشریف لے گئے، جہاں اسلامی یادگاریں موجود ہیں ان مقامات پر جانے کی تمنّا بہت زیادہ تھی؛ تاکہ ان کے انوار و برکات سے محظوظ ہونے کی سعادت حاصل ہو۔

نیز اس کے ذریعے قرآنِ کریم اور احادیثِ مبارکہ کی باتیں زندہ اور تازہ ہوں، ہمارے دِل میں بھی ایمان کی ترقی ہو اور ہمارے واسطے سے لوگوں تک دین کی باتیں پہنچے۔ سیرتِ نبوی اور سیرتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا علم ہو۔

اِن مقامات کا سفر کرنے کے لیے کافی انتظار کرنا پڑا

اِن مقامات پر جانے کے لیے جو سیاحتی ویزا (Tourist visa) مطلوب ہوتا ہے وہ بہت زیادہ مہنگا ہونے کی وجہ سے لمبے زمانے سے ہمت نہیں ہو سکی تھی، پھر ''کورونا'' کے زمانے کے بعد جب ۲۰۲۲ء میں ''ملاوی'' اور ''زامبیا'' کا سفر ہوا تھا، وہاں سے واپسی کے بعد رمضان کے آخری عشرے میں عمرے کی سعادت حاصل ہوئی تھی، اس وقت بھی اِن مقامات کا سفر کرنے کا ارادہ تھا؛ مگر رمضان مبارک ہونے کی وجہ سے ہمت نہیں ہوئی تھی۔

اس کے بعد ۲۰۲۲ء میں حج کے سفر میں بھی اِس کے لیے بڑی کوشش کی گئی، جدّہ سے تبوک تک کے باقاعدہ ٹکٹ بھی بک کروا لیے گئے؛ لیکن پتا چلا کہ حج کے ویزا پر زیارات کے لیے جانا قانوناً ممنوع ہے؛ اس لیے وہ پروگرام بھی موقوف کر دیا گیا تھا۔

اب اِس سال (۱۴۴۴ھ مطابق ۲۰۲۲ء) ربیع الاوّل (ششماہی امتحان) کی تعطیلات میں ان بابرکت مقامات پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔

کورونا کی پابندیوں کی وجہ سے ایک عرصے سے برطانیہ کا بھی سفر نہیں ہوا تھا، حقیقی چچا حاجی یوسف حافظجی، حقیقی ماموں حاجی محمد گجیا اور دوسرے بہت سے قریبی رشتے دار اس عرصے میں دنیا سے چلے گئے، نیز مرحوم بھائی مولانا محمد صاحب کی اولاد: حافظ اسامہ، حافظہ سعیدہ اور بیٹی فاطمہ کی بھی خبر پرسی اور ملاقات کرنی تھی، ان سب مقاصد کے لیے مادرِ علمی جامعہ ڈابھیل میں امتحان کے پرچوں کے دنوں میں پہلے ایک ہفتہ برطانیہ کا سفر ہوا، بلیک برن سے لے کر لندن تک تقریباً تمام بڑے شہروں میں الحمدللہ! دینی مجالس کا انعقاد ہوا، وہاں کے اکابر علما سے زیارت و ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی،

نامور دار العلوم اور اداروں میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، پھر واپسی میں شب جمعہ میں جدہ پہنچے اور جمعہ کی فجر ہی میں الحمدللہ! عمرے کی سعادت حاصل ہوئی۔

ان شاء اللہ! تاریخ کے ساتھ ترتیب وار سفر کی کارگزاری آپ کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔اسی طرح اِس سال ۲۷،۲۸ رشعبان ۱۴۴۳ھ، مطابق: ۳۰، ۳۱ر مارچ ۲۰۲۲ء بدھ اور جمعرات کو افریقہ کے ایک ملک زامبیا میں مشہور ''وکٹوریا آبشار'' دیکھنے کا موقع ملا، اس کی مختصر کارگزاری بھی اس میں شامل کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کتاب کو اپنی رضا کا ذریعہ بنائے اور امت کے لیے فائدہ کا ذریعہ بنائے، آمین۔

اِس کتاب کی تیاری میں جن جن حضرات نے جس طرح حصہ لیا ہے میں ان تمام کا شکریہ ادا کرتا ہوں، خاص طور پر: عزیزِ مکرم مفتی احمد گورا ڈابھیلی سلمہ، عزیزِ مکرم مفتی اویس بن فاروق وہورا، (افریقہ، اصل وطن: آنند)، استاذِ حدیث (بخاری شریف) جامعہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ مپوٹو۔ مفتی بدرالدین صاحب شولاپوری (شیخ الحدیث: جامعہ خیر العلوم اودگاؤں، کولہاپور) اور مفتی یوسف صاحب کولہاپوری (نائب: شیخ الحدیث: جامعہ خیر العلوم اودگاؤں، کولہاپور) کا کہ انھوں نے نظرِ ثانی اور پروف ریڈنگ کا مرحلہ مکمل فرمایا۔

اسی طرح میں شکریہ ادا کرتا ہوں آصف بھائی میمان اینڈ فیملی کا جن کی طرف سے اس کتاب کے لیے مالی تعاون حاصل ہوا۔

اللہ تعالیٰ ان تمام کو دارین میں اپنی رضا سے مالا مال فرماوے اور ان کو اور ان کی نسلوں کو اللہ تعالیٰ دین کی مقبول خدمات کے لیے قبول فرماوے، آمین!

بندہ: محمود حافظجی بارڈولی عفی عنہ

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے متبرک مقامات کی دل چسپ کارگزاری

ہمارے اِس سفر کے ساتھی

ہمارے اس مبارک سفر کے ساتھیوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

① عرفان بھائی، جن کا تعارف ان شاءاللہ! آگے آئے گا۔

② مفتی آصف صاحب بمبوی (مدرس: جامعہ اشرفیہ راندیر)۔

③ مفتی امیر معاویہ آگرہ۔(AMislamiczone youtube channels)

④ عمران بھائی۔

⑤ افروز بھائی، مقیم جدہ، اصل بہار کے رہنے والے ہیں؛ لیکن بارڈولی میں رہتے ہیں اور ان کی شادی بھی بارڈولی ہی میں ہوئی ہے۔

⑥ شہزاد بھائی (ہماری گاڑی کے ڈرائیور)۔

⑦ بندہ محمود حافظی۔

اس طرح ہم کل سات ساتھی تھے۔

مقاماتِ زیارات کا اجمالی خاکہ

۲۱/اکتوبر ۲۰۲۲ء، مطابق: ۲۴/ربیع الاول ۱۴۴۴ھ جمعہ کے دن مکہ مکرمہ پہنچ کر الحمدللہ! عمرہ کی سعادت حاصل ہوئی۔

پھر ۲۲/اکتوبر سنیچر کے دن سے متبرک مقامات کی زیارتوں کی سعادت حاصل ہوئی جس کی تفصیل یہ ہے:

(۱) وادیٔ فاطمہ جموم (مرّ الظہران)

(۲) مسجدِ فتح (جموم) (فتحِ مکہ کے وقت حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے جہاں پڑاؤ ڈالا تھا اور جہاں ابوسفیان ایمان لائے تھے وہ جگہ)

(۳) مجنّہ (زمانۂ جاہلیت کا مشہور بازار)

(۴) وادیٔ عسفان

(۵) وہ کنواں جس میں آپ ﷺ نے اپنا لعاب ڈالا تھا (بیرِ تفلہ)

(۶) وادیٔ عسفان میں ''مصاب'' نامی جگہ (سریۂ حضرت غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ)

(۷) غزوہ بنولحیان کی جگہ

(۸) سریۂ رجیع کی جگہ (بطن غران) اور حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کی جگہ

(۹) سرّیہ حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ (وادیٔ قدید)۔اوس اور خزرج کے ''مناۃ'' نامی بت کی جگہ

(۱۰) حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا کا خیمہ

(۱۱) سراقہ بن مالک کے دھنسنے کی جگہ

(۱۲) غدیرِ خم

(۱۳) سرّیہ حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ (بطنِ رابغ)

(۱۴) غزوۂ ودّان (ابواء) کی جگہ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدۂ ماجدہ حضرت آمنہ کا مزار بھی ابواء میں ہے)

(۱۵) ینبوع میں رات کا قیام

(۱۶) غزوۂ بواط کی جگہ (رضویٰ پہاڑ)

(۱۷) غزوۂ عشیرہ کی جگہ

(۱۸) مقامِ عیص اور سرّیہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

(۱۹) جامع ابوبصیر رضی اللہ عنہ

(۲۰) حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری

(۲۱) حجر کے راستے میں موجودہ سعودیہ عربیہ کا "العلی" نامی ایک شہر کی زیارت، اس کے قریب میں یہ وادی (میدان) موجود ہے، جس قوم (ثمود) اور جس وادی کا قرآنِ کریم میں بار بار تذکرہ آیا ہے؛ جہاں حجر کا علاقہ شروع ہوتا ہے۔

(۲۲) حجر کا علاقہ (مدائنِ صالح)

(۲۳) تبوک میں رات کا قیام

(۲۴) "مسجد الرسول" کی زیارت (جہاں غزوۂ تبوک کے موقع پر کئی روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیمہ رہا وہ جگہ)

(۲۵) تبوک کا چشمہ (عین السکر) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ

(۲۶) حضرت ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کے مزار پر

(۲۷) قلعۂ تبوک کی زیارت

(۲۸) وادیٔ مشقق

(۲۹) مدین کے علاقے میں (عیونِ موسیٰ علیہ السلام)

(۳۰) مدین کے "البدع" نامی شہر میں رات کا قیام

(۳۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مبارک کنواں

(۳۲) مدین کا دوسرا کنواں

(۳۳) سریہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (حسمی)

(۳۴) ابورافع یہودی کے قتل کی جگہ

(۳۵) خیبر میں رات کا قیام

(۳۶) خیبر کے قلعے

(۳۷) فدک (الحائط)

(۳۸) سریہ حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ (فدک)

(۳۹) مقبرۂ فدک

(۴۰) وادیٔ قریٰ

(۴۱) سریہ حضرت علی رضی اللہ عنہ

(۴۲) نخیل شہر کے قریب غزوۂ غطفان

(۴۳) حناکیہ شہر کے اطراف خضیرہ (سریہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ)

(۴۴) غزوۂ نجد، ذات الرقاع کی جگہ

(۴۵) ذوالقصہ نامی جگہ (سریہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدَانَا لِلْإِسْلَامِ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَشَفِيْعَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ عَلَيْهِ وَعَلىٰ اٰلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَذُرِّيَاتِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ وَأَهْلِ طَاعَتِهِ، وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا، أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾

ترجمہ: (اے نبی!) تم (ان کو) واقعات سناتے رہو؛ تاکہ وہ غور وفکر سے کام کریں۔

اِس سفر کی نیت ومقاصد

الحمد للہ! جمعہ کا عمرہ نصیب ہوا، اب:

① مکۂ مکرمہ سے ہم زیارات کرتے ہوئے مدینہ منورہ جائیں گے، وہاں مسجدِ نبوی اور آپ ﷺ کی قبرِ اطہر کی زیارت کا شرف حاصل کریں گے۔

② حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مزارات پر حاضر ہو کر ان کے لیے ایصالِ ثواب اور مسجدِ نبوی میں حاضر ہو کر فضائل والی نماز ادا کرنے کا بھی ہمارا قصد وارادہ ہے۔

③ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے علاوہ دیگر مقامات؛ جہاں حضرت نبیٔ کریم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے آثارِ مقدّسہ موجود ہیں، وہاں جا کر انوار وبرکات حاصل کرنا۔

④ قرآنی زمین؛ جس کے متعلق قرآنِ کریم میں آیات اور واقعات موجود ہیں، وہاں جا کر اس کو عبرت کی نگاہ سے دیکھنا اور قرآن فہمی میں مدد حاصل کرنا۔

⑤ پچھلے تمام انبیا علیہم السلام پر ہمارا ایمان ہے، ان کے بھی آثار، انوار وبرکات سے

مستفید ہونا، نیز ان کی یادگاروں کو دیکھنا بھی ہمارے مقصد میں داخل ہے۔

⑥ یہ سفر کچھ اللہ کے نیک بندے علمائے کرام کے ساتھ ہو رہا ہے؛ اس لیے:
﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ پر بھی عمل ہو جائے گا۔

⑦ دورانِ سفران تمام مقامات کی یادیں؛ خاص کر قرآن وحدیث میں جن کا بیان ہے اس کا مذاکرہ، سیکھنا اور سکھانا بھی ہماری نیت میں شامل ہے؛ تاکہ ہمارا سفر علمی ہو جاوے۔

⑧ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ فرماتے تھے کہ: اِن مقامات پر جا کر یہ تصور کریں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کن موسموں میں، کیسے حالات میں وہاں پہنچے تھے اور ان حضرات کا وہاں جانے کے پیچھے کیا مقصد تھا؟

⑨ اِن مقامات کی زیارت کرنے کے بعد ہمارے ایمان میں اضافہ ہو اور اس کے نتیجے میں اعمال کی طرف مزید رغبت ہو، اس بات کو بھی ہم نے اپنے ذہن میں رکھا ہے۔

⑩ سفر کے دوران تمام ساتھی ایک دوسرے کی کوتاہی اور غلطیوں کو معاف کرتے رہیں اور اچھائی کی لین دین کرتے رہیں، نیز سفر کے بعد اپنا محاسبہ بھی کریں کہ کیا ان صفات (توکل، احسان، ایثار اور عفو) میں اضافہ ہوا ہے؟

اِن تمام نیتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمارے اس مبارک سفر کا آغاز ہوا۔

اب تاریخ کے ساتھ ترتیب وار سفر کی کارگزاری آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔

۲۱/اکتوبر ۲۰۲۲ء، مطابق: ۲۴/ربیع الاول ۱۴۴۴ھ بروز جمعہ

۲۱/اکتوبر ۲۰۲۲ء، مطابق: ۲۴/ربیع الاول ۱۴۴۴ھ جمعہ کے دن مکہ مکرمہ پہنچ کر الحمدللہ! عمرہ کی سعادت حاصل ہوئی۔

سنیچر کے دن فجر کی نماز الحمدللہ! حرم شریف میں ادا کرنے کے بعد منیٰ کے قریب ناشتے کی دعوت تھی، ناشتے کی جگہ پہنچ کر پتا چلا کہ ناشتے کے میزبان: ''ابراہیم بھائی'' ہمارے مرحوم حاجی الیاس بھائی بلساڑی کے داماد ہوتے ہیں۔ مرحوم حاجی الیاس صاحب اصلاً بلساڑ کے رہنے والے تھے؛ لیکن چالیس سے زیادہ سال تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہے؛ اس لیے ان کی پہچان الیاس بھائی مکی ہی کے نام سے ہوگئی تھی، بڑا دینی مزاج رکھنے والے، مروّجہ دعوت وتبلیغ کے بڑے متحرک وفعال رکن، مکہ میں رہتے ہوئے تبلیغی دینی سرگرمیوں کے اندر بھرپور دلچسپی سے حصہ لیتے تھے، علما اور حجاج کی خدمت کو اپنی بڑی سعادت سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو طویل عرصے تک مکہ مکرمہ میں قیام کی سعادت عطا فرمائی، جب بھی وطن بلساڑ تشریف لاتے تو ڈابھیل تشریف لاتے، ہمارے حضرت اقدس شیخ الحدیث مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ اور بندے کی زیارت وملاقات کرتے اور مکہ میں بھی ان کے یہاں کھانے کی شان دار دعوت سے محظوظ ہونے کا موقع ملتا رہتا، اللہ تعالیٰ نے ان کو مکہ مکرمہ ہی میں موت عطا فرمائی اور وہیں پر مدفون ہوئے۔ ان کے داماد صاحب نے ہمیں بہترین عربی انداز کا ناشتہ کرایا، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

پھر ۲۲/اکتوبر سنیچر کے دن سے متبرک مقامات کی زیارتوں کی سعادت حاصل ہوئی جس کی تفصیل یہ ہے:

۲۲/ اکتوبر ۲۰۲۲ء، مطابق: ۲۵/ ربیع الاول ۱۴۴۴ھ بروز سنیچر سب سے پہلی زیارت

سنیچر کے دن مکہ مکرمہ سے روانہ ہوکر سب سے پہلے ہم جموم (Jumum) پہنچے۔

جموم (Jumum) کا تعارف

یہ جگہ مرالظہران کے نام سے مشہور ہے اور مکہ مکرمہ سے ۲۵/ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔

رمضان المبارک سن ۸/ ہجری میں فتحِ مکہ کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ سے تقریباً دس ہزار (۱۰۰۰۰) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے قافلے کے ساتھ مکہ مکرمہ تشریف لائے تھے تو مکہ میں داخل ہونے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ قیام فرمایا تھا۔

یہاں آکر حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ: مرّ الظہران کے عام راستے سے وادیٔ کباث سے مکّہ مکرمہ کے سامنے کی وادی میں پھیل کر خیمے لگائے جائیں، ہر مجاہد اپنا چولہا الگ جلاوے؛ تاکہ دشمنوں کو اپنی اصلی تعداد سے کئی گنا زیادہ نظر آئیں۔

نوٹ: قاموس الوحید میں "کَباث" کا معنیٰ: اراک (پیلو) کا پھل لکھا ہے، ممکن ہے اس سے اس کا نام کَباث رکھا گیا ہو۔

کفر وشرک کے خاتمے پر خوشی

بہر حال! دیکھتے ہی دیکھتے ویران جگہ میں ایک پورا شہر بس گیا اور سارا میدان ان چولہوں کی روشنی میں روشن ہوگیا!

اِس اچانک اور بے خبری کے عالم میں مکہ والوں کے سر پہنچ کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بے حد خوش تھے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اس کامیابی کے علاوہ کل جو مالِ غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوگا کیا وہ بھی خوشی کا باعث ہے؟

حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں! لیکن وہ مالِ غنیمت نہیں جو تم سمجھتے ہو، میری نظر میں سب سے بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ وہ زمین جہاں اب تک ناپاک ارادے کیے جاتے تھے، کفر و شرک کیا جاتا تھا، اب عنقریب وہ ان تمام (ناپاک) چیزوں سے پاک ہونے والی ہے۔ (سیرتِ احمدِ مجتبیٰ، ج:۳، ص:۲۰۰)

چرواہوں کے ذریعے مکہ والوں کو جب اتنے بڑے لشکر کے آنے کی خبر ملی تو وہ بہت پریشان ہوئے، قریش کا سردار: ابو سفیان (اس وقت تک وہ ایمان نہیں لائے تھے)، حکیم بن حزام اور خزاعہ قبیلے کے بدیل بن ورقا کے ساتھ حقیقت جاننے کے لیے نکلا، پہاڑی کی جانب سے جب مرّ الظہران کی طرف دیکھا تو ہر طرف آگ ہی آگ نظر آتی تھی۔

ابو سفیان کی گرفتاری

یہ دیکھ کر ابو سفیان کہنے لگا: یہ عرفہ کی آگ اور اس کی چہل پہل نظر آتی ہے، گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور اونٹوں کی بلبلاہٹ سے منظر اور بھی خطرناک لگتا تھا۔

بدیل بن ورقا نے کہا: مجھے تو یہ خزاعہ کے لوگ معلوم ہوتے ہیں: مگر ابو سفیان سمجھ گیا کہ ہونہ ہو یہ مسلمان ہی ہیں۔

تعجب کے مارے یہ تینوں آگے بڑھنے لگے؛ لیکن ایک جگہ پہرہ دینے والے صحابی نے انھیں پکڑ لیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنگی حکمتِ عملی

قریش کو اب تک یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ کیا ہے؟ مکہ پر حملہ یا طائف کی طرف پیش قدمی؟ جس جگہ پڑاؤ ڈالا گیا تھا، وہ دراصل قریش کو مغالطے (شبہ) میں ڈالنے والی ایک جنگی حکمتِ عملی تھی؛ تاکہ وہ اپنے لشکر کو جمع نہ کر سکیں۔

مشہور مؤرخ علّامہ طبریؒ نے غزوۂ حنین کے تذکرے میں لکھا ہے کہ: مسلمانوں کے مدینے سے نکلنے کی خبر قبیلۂ بنی ہوازن کو مل گئی تھی؛ مگر قریش بے خبر تھے، اگر بنی ہوازن کا لڑاکو قبیلہ قریش کے ساتھ مل جاتا تو مسلمانوں کو مشکلی پیش آسکتی تھی۔

ابوسفیان کا اسلام

جب ابوسفیان کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دیکھ کر فرمایا:

وَيْحَكَ يَا أَبَا سُفِيَانَ! أَلَمْ يَأْنِ لَكَ أَنْ تَعْلَمَ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؟

ابوسفیان! تجھ پر افسوس ہے، کیا تجھے اب بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے؟

اس نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کتنے حلیم اور کریم ہیں، ہمارا کوئی اور معبود ہوتا تو آج وہ ہمارے کام آتا۔

ابوسفیان کا یہ جملہ ان کے ایمان کے اقرار کی دلیل ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَيْحَكَ يَا أَبَا سُفِيَانَ! أَلَمْ يَأْنِ لَكَ أَنْ تَعْلَمَ أَنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ؟

ابوسفیان! تجھ پر افسوس ہے، کیا تجھے اب بھی یقین نہیں ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟

اس نے کہا: بے شک آپ بردبار، شریف النسب اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں، باقی نبوت تو اس میں ابھی ذرا شک ہے۔

یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ بولے: اے ابوسفیان! کیسی باتیں کر رہیں ہو؟ اس سے پہلے کہ عمر تیری گردن اڑا دے توحید اور رسالت کا اقرار کر لے۔

یہ گھڑی سعادت کی گھڑی تھی، اس کی قسمت کھلنے اور تقدیر کے جاگنے کا وقت تھا؛ چناں چہ ابوسفیان پورے طور پر اسلام میں داخل ہو گئے۔ (از: سیرت احمدِ مجتبیٰ، ج: ۳، ص: ۲۰۳)

اسلامی لشکر کا نظارہ

۱۷ر رمضان المبارک ۸ر ہجری (۷ر جنوری ۶۳۰ء) جب اسلامی لشکر مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لیے تیار ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان بن حرب کو لے کر لشکر کے راستے میں ایک پہاڑ کی گھاٹی پر کھڑے ہو گئے؛ تاکہ انھیں پورے لشکر کا نظارہ کرا سکیں۔

تھوڑی دیر بعد اسلامی لشکر کی الگ الگ جماعتیں اپنے اپنے قبائل کے جھنڈوں کے ساتھ ان کے سامنے سے گزرنے لگیں۔

ابوسفیان ہر جماعت کو دیکھ کر پوچھتے: یہ کن کی جماعت ہے؟

حضرت عباس رضی اللہ عنہ قبیلے کا نام بتاتے تو ابوسفیان ان کے جواب میں کہتے: ان سے کیا غرض؟

آخر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کے لشکر کے ساتھ تشریف لائے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو بتایا تو وہ بولے:

بھلا! ان کا کون مقابلہ کرسکتا ہے؟

پھر ابوسفیان کہنے لگے: عباس! تمھارا بھتیجا تو بہت بڑا بادشاہ بن گیا ہے۔

یہ بادشاہت نہیں، نبوت ہے!

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بولے: اللہ کے بندے! یہ بادشاہت نہیں، نبوت ہے۔

ابوسفیان اس کے بعد جلدی سے مکہ میں پہنچے اور اعلان کردیا کہ: جو میرے گھر میں آجائے یا اپنے گھر میں بند ہوکر بیٹھ جائے یا حرم میں چلا جائے وہ مامون رہے گا۔

چناں چہ لوگوں نے اس پیش کش سے فائدہ اٹھانے میں دیر نہ لگائی، تاہم صفوان بن امیہ اور کچھ لوگوں نے اپنے طور پر مکہ میں داخل ہونے والی اس جماعت سے مزاحمت کی جو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تھی، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جوابی حملہ کیا تو چند لوگ مارے گئے اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے، بہرحال! اس جھڑپ کے سوا امن وامان کے خلاف کوئی بات نہ ہوئی۔ (تاریخِ امت مسلمہ، ج۱، ص:۳۴۸)

الحمدللہ! جموم میں اُس مبارک جگہ کی زیارت نصیب ہوئی جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ جموم میں بہت سارے پہاڑ ہیں اور قدرتی طور پر وافر مقدار میں پانی موجود ہے، اسی جگہ سے مکّۃ المکرمہ، جدّہ اور اطراف کے کئی علاقوں میں بہت بڑی مقدار میں پانی پہنچایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ: مَجَنَّہ کے بازار میں بھی اسی جگہ سے پانی پہنچایا جاتا تھا اور آج بھی پہنچایا جاتا ہے۔

اس جگہ کو ''وادیٔ فاطمہ'' بھی کہتے ہیں؛ لیکن اس کو ''وادیٔ فاطمہ'' کیوں کہتے ہیں اس کی وجہ معلوم نہیں ہوسکی!

مسجدِ فتح (جموم)

یہاں ایک مسجد ہے جس کا نام "مسجدِ فتح" ہے۔

حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاں خیمہ تھا اور جہاں ابوسفیان ایمان لائے تھے اس جگہ پر ایک مسجد بنائی گئی ہے، اس مسجد کا نام "مسجدِ فتح" ہے، یہ مسجد "مسجدِ عائشہ" سے تقریباً ۱۸ رکلومیٹر اور مکّہ شہر سے تقریباً ۲۵ رکلومیٹر کے فاصلے پر شمال کی جانب مدینہ منورہ کی شاہراہ (road) پر موجود ہے، مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جانے والے اس شاہراہ (road) کو "طریق الهجرة"؛ یعنی ہجرت کا راستہ بھی کہتے ہیں۔

مَجَنَّۃ (زمانۂ جاہلیت کا مشہور) بازار

اس کے بعد ہم نے مجنہ کے بازار کی زیارت کی۔

یہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے درمیان ہمارے سفر کا دوسرا مقام ہے، جس کو "مجنّہ کا بازار" کہا جاتا ہے، یہ زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے تین بڑے بازاروں میں سے ایک مشہور بازار تھا، جس کا تذکرہ بخاری شریف میں بھی موجود ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ: كَانَتْ عُكَاظٌ، وَمَجَنَّةُ، وَذُو الْمَجَازِ أَسْوَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ. (البخاری، کتاب البیوع: ۲۰۵۰، کتاب التفسیر: ۴۵۱۹)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: عکاظ، مجنہ اور ذو المجاز زمانۂ جاہلیت کے بازار تھے۔

یہ بازار ہر سال ذوالقعدہ کے آخری دنوں میں مکہ مکرمہ کے شمال میں مقامِ مر الظہران (جموم) میں لگا کرتا تھا۔

مجنہ کا بازار مادّی اور فکری ضرورتوں کا مرکز

حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کثرت سے اس بازار میں تشریف لے جاکر لوگوں کو ایمان کی دعوت دیا کرتے تھے۔

مجنہ کے اس بازار کو ان اہم تہذیبی جگہوں میں سے ایک مانا جاتا ہے جس نے لوگوں کے واسطے متعدد خدمات فراہم کیں، نیز حاجیوں، خریداروں اور مسافروں کے لیے بہت سارے تجارتی سامان اور ضروریات فراہم کیں، ساتھ ہی اس بازار کی وجہ سے لوگوں کو اسلام سے پہلے اور بعد میں بہت سارے فکری فوائد بھی حاصل ہوئے، خاص کر قریش کو جو کہ اس بازار کی دیکھ بھال (handling) کیا کرتے تھے۔

عُکاظ کا بازار

عکاظ کا بازار بھی جاہلیت کے مشہور بازاروں میں سے ایک تھا، یہ سب سے بڑا بازار تھا، نخلہ و طائف کے درمیان طائف سے دس میل کے فاصلے پر لگا کرتا تھا۔

عرب لوگ حج کے زمانے میں ذو القعدہ کے ابتدائی بیس دن یہاں گزارا کرتے تھے، اس جگہ ان دنوں میں وہ اپنی چیزوں کو بیچ کر تجارت کیا کرتے تھے اور اپنی زبان پر فخر کرتے ہوئے اشعار کا مقابلہ بھی کیا کرتے تھے۔

اس بازار کی دیکھ بھال کرنے والے اور چلانے والے قبیلۂ عدوان اور ہوازن کے لوگ تھے۔

ذُو المَجاز کا بازار

یہ اس زمانے کا تیسرے نمبر کا مشہور بازار تھا، یہ مکہ مکرمہ سے مشرق کی جانب

تقریباً ۲۱ رکلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھا، یہ بازار میدانِ عرفات کے قریب واقع ہونے کی وجہ سے لوگ اس زمانے میں مجنہ کے بازار سے فارغ ہونے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہوا کرتے تھے؛ چناں چہ لوگ یہاں آٹھویں ذی الحجہ؛ حج کے ارکان شروع ہونے تک قیام کرتے تھے۔

اس بازار میں بھی قریشِ مکہ اپنے سامان اور جانوروں کی تجارت کیا کرتے تھے۔

وادیٔ عُسفان (osfan)

پھر ہمارا گزر وادیٔ عسفان سے ہوا۔

''عسفان'' مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک مشہور شہر ہے، مکہ مکرمہ سے تقریباً ۱۰۰ رکلومیٹر کے فاصلے پر ہے، حدیث میں اس جگہ کا ذکر بہت آیا ہے، آپ ﷺ اس مقام سے متعدد بار گزرے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمَّا حَجَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَرَّ بِوَادِي عُسْفَانَ، فَقَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ أَيُّ وَادٍ هَذَا؟ فَقَالَ: وَادِي عُسْفَانَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَقَدْ مَرَّ بِهِ هُودٌ وَصَالِحٌ وَنُوحٌ عَلَى بَكَرَاتٍ حُمْرٍ، خُطُمُهَا اللِّيفُ، أُزُرُهُمُ الْعَبَاءُ، وَأَرْدِيَتُهُمُ النِّمَارُ، يُلَبُّونَ، وَيَحُجُّونَ الْبَيْتَ الْعَتِيقَ. (مسند احمد، ج:۳، ص:۴۹۵، حدیث نمبر:۲۰۶۷)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ: حضرت نبیٔ کریم ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر جب اِس وادی کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا: یہ کونسا میدان ہے؟

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: اے اللہ کے رسول! یہ ''عسفان کا

میدان‘‘ ہے۔اس پر حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: یہاں سے حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام اپنی لال اونٹنی پر سوار ہوکر گزرے ہیں، ان اونٹنیوں کی نکیل (ناک کی رسی) کھجور کی چھال کی تھی، ان کی تہ بند (ازار) عبایا تھے اور ان کی چادر چیتے کی کھالیں تھی، وہ ’’لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ‘‘ کہتے ہوئے کعبۃ اللہ کی طرف چلے جارہے تھے۔

فائدہ: عبایا: ایک لمبا کوٹ یا جبہ جو پاؤں تک ہوتا ہے۔(فیروز اللغات)

چیتے کی کھال کی چادر: اس کو حقیقی معنیٰ پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے چیتے کی کھال پہن رکھی تھی، اور مجازی معنیٰ: سفید وسیاہ دھاریوں والا کمبل یا چادر پہن رکھی تھی، یہ بھی مراد لے سکتے ہیں۔

وادیٔ ازرق

وادیٔ عسفان کے قریب اِن مقامات کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی: وادیٔ ازرق، وادیٔ ہرشیٰ، فجِ روحاء۔

وادیٔ ازرق کے متعلق حدیث شریف میں ہے:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ فَمَرَرْنَا بِوَادٍ، فَقَالَ: أَيُّ وَادٍ هٰذَا؟ قَالُوا: وَادِي الْأَزْرَقِ، قَالَ: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلام فَذَكَرَ مِنْ طُوْلِ شَعْرِهِ شَيْئًا لَا يَحْفَظُهُ دَاوُدُ وَاضِعًا إِصْبَعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ، لَهُ جُؤَارٌ إِلَى اللهِ بِالتَّلْبِيَةِ مَارًّا بِهٰذَا الْوَادِي.(مسلم:١٦٦)

حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ: ہم لوگ حضرت نبیٔ کریم

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان تھے، ہمارا گزر ایک وادی سے ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا: یہ کون سی وادی ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ ''وادیٔ ازرق'' ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: گویا میں (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کو دیکھ رہا ہوں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بالوں کی لمبائی کا تذکرہ کیا (جو راوی داؤد کو یاد نہیں رہا)، وہ اپنی دو انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں ڈالے ہوئے بلند آواز سے ''لَبَّيْكَ'' کہتے ہوئے، اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہوئے اِس وادی سے گزرے۔

وادیٔ ہرشیٰ

وادیٔ ہرشیٰ کے متعلق حدیث شریف میں ہے:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: ثُمَّ سِرْنَا حَتَّى أَتَيْنَا عَلَى ثَنِيَّةٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ ثَنِيَّةٍ هَذِهِ؟ قَالُوا: ثَنِيَّةُ هَرْشَى أَوْ لَفْتٍ، قَالَ: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى يُونُسَ عَلَى نَاقَةٍ حَمْرَاءَ عَلَيْهِ جُبَّةُ صُوفٍ، وَخِطَامُ نَاقَتِهِ خُلْبَةٌ مَارًّا بِهَذَا الْوَادِي. (المسلم:١٦٦)

حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: ہم آگے چلے، یہاں تک کہ ایک اور وادی میں پہنچے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا: یہ کونسی وادی ہے؟

لوگوں نے عرض کیا: یہ ''ہرشیٰ'' یا ''لفت'' کی وادی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: گویا میں حضرت یونس علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں، جو بالوں کا (اونی) جبّہ پہنے ہوئے سرخ اونٹنی پر سوار ہیں، ان کی اونٹنی کی نکیل کھجور کے پتّوں کی رسّی کی ہے اور وہ ''لَبَّيْكَ'' کہتے ہوئے جارہے ہیں۔

حالتِ احرام میں اونی جبہ؟

سوال: یہاں ایک سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ حالتِ احرام میں مُحرِم کے لیے سلا ہوا کپڑا پہننا تو منع ہے، پھر حضرت یونس علیہ السلام نے کیسے اونی جبہ پہن رکھا تھا؟

جواب: اس کا جواب علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے ''فتح الملہم شرح صحیح مسلم'' میں اس طرح تحریر فرمایا ہے کہ: اگرچہ حالتِ احرام میں سلا ہو کپڑا پہننا منع ہے؛ مگر انھوں نے تواضع اور انکساری کے طور پر پہن رکھا تھا یا یہ کہ انھوں نے غیر معتاد طریقے پر پہن رکھا ہو۔

دوسرا جواب یہ بھی دیا ہے کہ: ممکن ہے کہ ان کی شریعت میں محرم کے لیے حالتِ احرام میں سلا ہوا کپڑا پہننا جائز ہو۔ (فتح الملہم شرح صحیح مسلم: ۲/۲۷۶)

فجِّ روحاء

وادیٔ فجِ روحاء کے متعلق حدیث شریف میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَالذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَيُهِلَّنَّ ابْنُ مَرْيَمَ بِفَجِّ الرَّوْحَاءِ، حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا، أَوْ لَيَثْنِيَنَّهُمَا. (المسلم: ۱۲۵۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! (یعنی اللہ کی قسم) کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم فجِ روحاء کی گھاٹی میں حج یا عمرہ کا ''لَبَّيْكَ'' پڑھتے ہوئے یہاں سے گئے ہیں۔

دیکھو! حج کتنا مبارک عمل ہے کہ اس کو ادا کرنے کے واسطے تقریباً تمام انبیا علیہم السلام تشریف لائے ہیں، حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (عالمِ کشف) میں ان کو اِس طرح دیکھا تھا۔

یہ وہ مبارک وادیٔ عسفان ہے جس کی ہم نے الحمد للہ! زیارت کی۔

بیرِ تُفلہ (Tuflah Well)
وہ کنواں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا مبارک لعاب ڈالا تھا

اسی وادیٔ عسفان میں ایک تاریخی کنواں ہے جس کو "بیرِ تفلہ" کہا جاتا ہے؛ یعنی وہ کنواں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا مبارک لعاب ڈالا تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ بہت سارے معجزات ظاہر فرمائے۔

معجزے کا مطلب یہ کہ: جو کام کوئی نہیں کر سکتا ہے، وہ کام اللہ تعالیٰ کی مدد سے اللہ کے نبی کے ہاتھ انجام کو پہنچتا ہے؛ تاکہ وہ چیز نبوت کی سچائی کی دلیل بن جاوے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعابِ دہن سے کنویں کا پانی میٹھا ہو گیا

حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن ہجری ۷ رمیں عمرے کی قضا سے فارغ ہو کر جب واپس مدینہ منورہ تشریف لے جا رہے تھے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودہ سو (۱۴۰۰) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس جگہ قیام فرمایا تھا۔

یہاں ایک کنواں تھا جس میں پانی بہت کم اور پینے کے قابل نہیں تھا، اب اِس ویران جگہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو پانی کی سخت ضرورت محسوس

ہوئی۔اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مبارک لعابِ دہن اس کنویں میں ڈالا، جس کے نتیجے میں کنویں کا سارا پانی میٹھا ہو گیا! حالاں کہ اِس کنویں کا پانی کڑوا اور ایک روایت کے مطابق کھارا تھا، اس کے بعد اس کنویں کے پانی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی پیا۔

ایک قول کے مطابق حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر یہ معجزہ ظاہر ہوا تھا۔

عجیب بات یہ کہ یہاں قریب ہی ایک دوسرا کنواں بھی ہے، جو پورا خشک ہو چکا ہے، اس میں بڑی بڑی مشینیں لگائی جاتی ہیں؛ لیکن پانی نہیں نکلتا؛ جب کہ جس کنویں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مبارک لعاب ڈالا تھا اس میں سے آج بھی پانی نکل رہا ہے اور لوگ برابر اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے کے برکات اور ثمرات آج تک موجود چلے آ رہے ہیں۔

لوگ یہاں آتے ہیں، اس کا پانی پیتے ہیں اور برکت کے لیے یہاں سے پانی لے جاتے ہیں۔

حجازِ مقدس کی سب سے پہلی جیل

کہتے ہیں کہ: ۷ ر صدی عیسوی میں غالباً ''ہشام بن عبد الملک'' کے زمانے میں اسی عسفان میں حجازِ مقدّس کی اوّل جیل بنائی گئی تھی اور آج سعودیہ عربیہ کی ایک مشہور و معروف جیل بھی اسی جگہ ہے۔

سریہ حضرت غالب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ

اسی وادئ عسفان میں ''مصاب'' نامی ایک جگہ ہے، جہاں صفر سن ہجری ۸ ر میں

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ فرمایا تھا، ایک روایت کے مطابق ایک سو تیس (۱۳۰) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔

یہاں "بنو الملوّح" نامی ایک مشرک قبیلہ آباد تھا، یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے۔

حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت جب یہاں پہنچی تو انھوں نے اس مشرک قبیلے پر چھاپا مارا اور کچھ مالِ غنیمت بھی حاصل کیا، اب جب دوسرے مشرکین کو اس بارے میں پتا چلا تو وہ بڑی مقدار میں اس جگہ آ کر جمع ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد

چناں چہ ایسے نازک وقت میں زوردار بارش کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی مدد آئی، جس کی وجہ سے یہ پوری وادی پانی سے بھر گئی، اب وادی کے ایک طرف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تھے اور دوسری طرف مشرکین تھے، پانی کے تیز بہاؤ کی وجہ سے یہ مشرکین وادی کی اِس طرف نہ آ سکے۔

لہٰذا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سالماً و غانماً مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ (سیرتِ مصطفیٰ، ج:۲، ص:۴۳۴)

غَرّان (غزوۂ بنولحیان کی جگہ)

اس کے بعد ہم "غَرّان" پہنچے، یہ عسفان سے نہایت قریب ہے۔ اسی جگہ پر وہ اندوہناک واقعہ پیش آیا تھا جہاں کافروں نے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو دھوکے سے شہید کر دیا تھا، واقعے کی تفصیل اس طرح ہے:

ہجرت کے چوتھے سال صفر کے مہینے میں ”سفیان بن خالد ہذلی“ عرب کے دو مشہور قبیلے: ”عضل“ اور ”قارہ“ کے چند لوگوں کے ساتھ مکّہ کے کافروں کو اُحد کی کامیابی پر مبارک باد دینے مکّہ مکرمہ گیا، ”بنی عبدالدار“ کے محلے سے اس نے رونے کی آواز سنی، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اس قبیلے کے کل ۲۲/آدمی اُحد کی لڑائی میں قتل کر دیے گئے ہیں۔ (سیرتِ احمدِ مجتبیٰ، ج:۲، ص:۳۴۲)

سُلافہ بنتِ سعد کی قسم

طلحہ کی بیوی ”سُلافہ بنتِ سعد“ نے قسم کھا رکھی تھی کہ: جب تک میں اپنے شوہر اور بیٹوں کے قاتل کا بدلہ نہ لوں گی، تب تک سر میں تیل نہیں ڈالوں گی، نیز اس نے ان کے قاتل کے قتل پر سو اونٹ انعام میں دینے کا وعدہ بھی کیا اور ساتھ ہی وہ قاتل کی کھوپڑی میں شراب پی کر اپنے بدلے کی آگ کو بجھانا چاہتی تھی۔

سفیان نے اس سے پوچھا: تیرے بیٹوں کا قاتل کون ہے؟

اس نے کہا: عاصم بن ثابت انصاری۔

سفیان نے انعام کا وعدہ لیا اور ان کو پکڑنے کی سازش تیار کی۔

سفیان بن خالد کی گندی سازش اور واقعہ رجیع

”رجیع“ مکہ اور عسفان کے درمیان ایک پانی کا کنویں کا نام ہے، جہاں دھوکے سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیا گیا تھا۔

ایک روایت یہ ہے کہ: سفیان بن خالد نے پلاننگ کی، جس کے نتیجے میں ”عضل“ اور ”قارہ“ کے کچھ آدمی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

کہنے لگے: ہمارے قبیلے کے لوگ مسلمان ہو چکے ہیں، ان کو دین سکھانے کے لیے چند آدمی ہمارے ساتھ روانہ فرمائیے۔ ادھر انھوں نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ سے دوستی بڑھائی اور کہنے لگے: کیا اچھا ہوگا اگر آپ بھی ہمارے ساتھ آجاویں!

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: امید ہے کہ مجھے بھی بھیجا جاوے گا۔

ان کی درخواست پر حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی سرداری میں بھیجا، اس سے دو کام مقصود تھے، ایک تو ان لوگوں کی تعلیم مقصود تھی، اور دوسرے یہ کہ قریش کے حالات کی خبر بھی ملتی رہے گی؛ لیکن ان قبیلے والوں کا مقصد تو مسلمانوں کو دھوکا دینا تھا اور اس بہانے سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے چند لوگوں کو اپنے یہاں لے جا کر قتل کرنا تھا۔

دوسری ایک روایت یہ ہے کہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ قریش کا حال معلوم کرنے کے لیے روانہ فرمایا تھا، جب یہ لوگ مقامِ "ھَدْاَۃ"- جو عسفان اور مکہ مکرمہ کے درمیان ہے- پہنچے تو بنولحیان کو اس کا پتا چل گیا؛ چناں چہ ان کے دوسو آدمی -جن میں سو تو مشاق تیر انداز تھے- مسلمانوں کا پیچھا کرنے کے لیے نکلے اور ان کے چلنے کے آثار کو دیکھ دیکھ کر ان کی تلاش میں آگے بڑھے۔

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے محسوس کیا کہ کچھ لوگ ہمارا پیچھا کر رہے ہیں اور ہمیں گرفتار کرنا چاہتے ہیں تو یہ سب ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ گئے، ان دوسو آدمیوں نے اس ٹیلے کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور ان سے کہا: تم لوگ نیچے آجاؤ، ہم تم سے وعدہ اور عہد و پیمان کرتے ہیں کہ تم میں سے کسی کو قتل نہیں کریں گے۔

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

أَيُّهَا الْقَوْمُ! أَمَّا أَنَا، فَلَا أَنْزِلُ عَلٰى ذِمَّةِ كَافِرٍ.

میں تو (ان کا مقابلہ کرتے ہوئے جان دینا پسند کرتا ہوں؛ لیکن) کسی کافر کی امان میں جانا پسند نہیں کرتا۔

وہ حضرات ایسی جگہ میں ان حالات کے اندر گرفتار تھے کہ اب پتا نہیں وہ زندہ رہیں گے یا مقابلہ میں مارے جائیں گے اور پھر ان کی کوئی اطلاع مدینہ منورہ پہنچے گی یا نہیں؛ اس لیے کہ خبر پہنچانے والا تو کوئی تھا ہی نہیں؛ اس لیے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اَخْبِرْ عَنَّا نَبِيَّكَ صلی اللہ علیہ وسلم.

اے اللہ! ہماری حالت کی خبر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کر دینا۔

اور دوسری دعا یہ کی کہ: اے اللہ! میں آپ کے دین کی حفاظت کے لیے کوشش کر رہا ہوں، اب آپ میرے جسم کی حفاظت فرمانا۔

یہ دعا کرنے کے بعد حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے نیچے اترنے سے انکار کر دیا اور مقابلہ شروع کیا، ادھر سے ان تیر اندازوں نے ان پر تیر برسائے اور چھ صحابہ اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے؛ اس لیے کہ وہ دو سو آدمی تھے اور ان میں بھی سو تو بڑے مشّاق تیر انداز تھے، اب تین زندہ بچ گئے تو انھوں نے پھر سمجھایا کہ اب تو تم تین ہی بچ گئے ہو، تم ہمارا مقابلہ تو نہیں کر سکتے، نیچے آ جاؤ، ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ تمھیں قتل نہیں کریں گے؛ چناں چہ ان کے کہنے پر جو تین باقی رہ گئے تھے وہ نیچے اتر آئے، ان میں ایک حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ، دوسرے حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ اور تیسرے عبد اللہ بن طارق رضی اللہ عنہ تھے۔

جب کافروں نے ان کو پکڑ کر اپنے قبضے میں لے لیا اوران کی کمانیں کھول کر ان کی تانت سے ان کو باندھنا شروع کیا تو یہ منظر دیکھ کر ان تین میں سے ایک حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے کہا: جب تم نے ہمیں امان دے دی اور وعدہ کرلیا کہ تم ہمیں قتل نہیں کروگے تو پھر ڈوریوں سے ہمارے بازوؤں کو باندھنے کا کیا مطلب ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ تمھاری نیتوں میں خیر نہیں ہے؛ اس لیے مَیں تمھارے ساتھ آنے کے لیے تیار نہیں ہوں، میں بھی اسی راہ (شہادت) کو پسند کرتا ہوں جو میرے دوسرے سات ساتھیوں نے پسند کی؛ چناں چہ ان لوگوں نے ان کو زبردستی کھینچ کر اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کی؛ لیکن انھوں نے انکار کیا تو ان کو وہیں قتل کردیا۔

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش کی حفاظت کا غیبی انتظام

روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی دونوں دعائیں قبول ہوئیں، پہلی تو اس طرح سے کہ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے بذریعۂ وحی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حالات سے آگاہ کردیا اوران کی لاش کی بھی اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی، جس کا قصہ یہ ہوا کہ:

جب کافروں کو پتا چلا کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا گیا ہے تو وہ لوگ انعام کی لالچ میں آپ کا سر کاٹنے کے لیے اِس مقام پر پہنچ گئے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی لاش کی حفاظت کے واسطے شہد کی مکّھیوں کا ایک جھنڈ بھیج دیا، جس کی وجہ سے یہ لوگ ان کی لاش کے قریب بھی نہ جاسکے۔

انھوں نے سوچا کہ جب اندھیرا ہوگا تب یہ شہد کی مکّھیاں چلی جاویں گی، اس کے بعد ہم ان کا سر کاٹ لیں گے؛ مگر جیسے ہی رات ہوئی اللہ تعالیٰ نے زوردار بارش برسائی اوروہ بارش کا پانی حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش کو بہا کر لے گیا۔

حضرت خبیب اور حضرت زید بن دثِنہ رضی اللہ عنہما کی گرفتاری

اب دو صحابی؛ یعنی حضرت خبیب ﷛ اور حضرت زید بن دثنہ ﷛ رہ گئے؛ چناں چہ وہ لوگ ان دونوں کو مکہ مکرمہ لے گئے (چوں کہ ان لوگوں کو معلوم تھا کہ مکہ والے ان دونوں کو بڑی قیمت دے کر خرید لیں گے، انھوں نے ان کو پیسے کے لالچ ہی میں قید کیا تھا) چناں چہ ان دونوں کو مکہ مکرمہ میں بیچ دیا۔

حضرت خبیب ﷛ کے پاکیزہ اخلاق کا ایک واقعہ

حارث بن عامر ایک قریشی آدمی تھا، جو غزوۂ بدر میں مارا گیا تھا، جس کو حضرت خبیب ﷛ ہی نے قتل کیا تھا؛ اس لیے اس کے بیٹوں نے حضرت خبیب ﷛ کو خرید لیا کہ ان کو باپ کے بدلے میں قتل کریں گے؛ لیکن ان لوگوں نے حضرت خبیب ﷛ کو خریدنے کے بعد فوراً قتل نہیں کیا؛ بلکہ ان کو اپنے یہاں کچھ دنوں تک قید رکھا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ: اس وقت حرمت والے مہینے چل رہے تھے، ان کے ختم ہونے کا انتظار کیا؛ یہاں تک کہ ایک دن حارث بن عامر کے گھر والوں نے فیصلہ کرلیا کہ آئندہ کل ان کو قتل کرنا ہے۔ حضرت خبیب ﷛ کو بھی یقین ہوگیا کہ آئندہ کل یہ لوگ مجھے قتل کرنے والے ہیں تو حارث بن عامر کے گھر میں جہاں وہ قید تھے وہیں انھوں نے ان کی ایک لڑکی سے اُسترہ مانگا، ان کا مقصد یہ تھا کہ زیرِ ناف وغیرہ کی صفائی کرلیں، اس لڑکی نے ان کو استرہ دے دیا اور وہ اپنے کام میں لگ گئی، اسی درمیان اس کا ڈیڑھ دو سال کا چھوٹا سا بچّہ - جو ابھی نیا نیا چلنا سیکھا تھا، وہ- کھیلتے کھیلتے حضرت خبیب ﷛ کے پاس پہنچ گیا، حضرت خبیب ﷛ بیڑیوں میں بندھے ہوئے تھے، جب

بچّہ قریب پہنچا تو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنی ران پر بٹھالیا، وہ عورت اپنے کام میں مشغول تھی، اس کو پتا ہی نہیں چلا کہ میرا بچّہ ان کے پاس پہنچ گیا ہے، اچانک جب اس کی نظر پڑی اور دیکھا کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے اس کے بچّے کو اپنی ران پر بٹھا رکھا ہے اور دوسرے ہاتھ میں استرہ ہے، یہ منظر دیکھ کر وہ ایک دم سہم گئی۔

ظاہر ہے کہ وہ لوگ دوسرے روز حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والے تھے، ان کو تو انتقام لینے کا اس سے اچھا موقع اور کہاں مل سکتا تھا؛ اس لیے وہ یہ سمجھی کہ اب تو ضرور کچھ نہ کچھ ہوگا؛ اس لیے دیکھتے ہی اس کے ہوش وحواس اُڑ گئے، اس کی گھبراہٹ کو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے بھی محسوس کیا تو فرمایا کہ:

أَتَخْشَيْنَ أَنْ أَقْتُلَهُ؟ مَا كُنْتُ لِأَفْعَلَ ذٰلِكَ.

کیا تجھے یہ ڈر ہے کہ میں اس بچّے کو قتل کردوں گا؟ تم اطمینان رکھو میں ایسا نہیں کروں گا (اس لیے کہ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدانِ جنگ میں بھی عورتوں، بوڑھوں اور بچّوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کو جب کافروں نے قید کیا ہو اور اس کو یقین ہوجائے کہ وہ اس کو مار ڈالنے والے ہیں، ایسی حالت میں اس کے قبضے میں ان کا کوئی بچّہ یا اور کوئی فرد آجائے تو اس کو چھیڑنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

چناں چہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے بچے کو کچھ نہیں کیا، کچھ دیر کھیل لگا کر چھوڑ دیا۔

بعد میں وہ عورت اسلام لے آئی، وہ بیان کرتی ہے کہ:

واللهِ مَا رَأَيْتُ أَسِيراً خَيراً مِنْ خُبَيْبٍ.

اللہ کی قسم! خبیب سے اچھا قیدی میں نے نہیں دیکھا۔

سبحان اللہ! صحابۂ کرام ﷡ کا یہ مبارک عمل ہمیں اِس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ ہمیں کمزور اور بے قصور لوگوں پر ظلم نہیں کرنا چاہیے؛ حالاں کہ یہ ظالم قوم کا بچہ تھا، پھر بھی آپ نے اسے کچھ نہیں کیا۔

بے موسم پھل: حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت

پھر وہی عورت حضرت خبیب ﷛ کا ایک قصہ بیان کرتی ہے کہ:

فَوَاللهِ لَقَدْ وَجَدْتُهُ يَوْماً يَأْكُلُ قِطْفًا مِنْ عِنَبٍ فِي يَدِهِ وَإِنَّهُ لَمُوْثَقٌ بِالْحَدِيدِ وَمَا بِمَكَّةَ مِنْ ثَمَرَةٍ، وَكَانَتْ تَقُولُ: إِنَّهُ لَرِزْقٌ رَزَقَهُ اللهُ خُبَيْبًا.

ایک دن میں نے خبیب کے ہاتھ میں انگور کا ایک خوشہ دیکھا جس کو وہ کھا رہے تھے؛ حالاں کہ وہ گھر کے ایک کونے میں بیڑیوں میں بندھے ہوئے پڑے تھے، نیز مکہ کے بازار میں بھی اس وقت وہ پھل نہیں ملتے تھے (اور اگر بازار میں مل رہے ہوتے تب بھی وہ تو بیڑیوں میں بندھے ہوئے تھے، ان کو انگور لاکر کون دیتا) وہ عورت کہا کرتی تھی: دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا ہوا رزق تھا جو خبیب کو کھلایا گیا تھا۔

سنّتِ حضرت خبیب ﷛

پھر جب دوسرے دن مشرکینِ مکّہ آپ کو مکّہ سے باہر "مقامِ تنعیم" میں لے گئے، وہاں ایک درخت پر سولی کا پھندا لٹکایا گیا، آدمی جمع کیے گئے: مرد و عورت، بچّے و بوڑھے، امیر و غریب سب جمع کیے گئے۔

حضرت خبیب ﷛ سے پوچھا گیا کہ: کوئی آخری خواہش ہو تو بیان کرو؟

حضرت خبیب ﷛ نے کہا: مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت دے دو۔

اجازت ملی تو جلدی سے نماز پڑھ لی، اس کے بعد کہا: اللہ کی قسم! اگر تم لوگ یہ گمان نہ کرتے کہ میں گھبرا گیا ہوں تو اور زیادہ نماز پڑھتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت خبیب رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہے جنھوں نے قتل سے پہلے نماز ادا کی، اس کے بعد اہلِ حق میں جو بھی ناحق شہید کر دیا جاتا ہے وہ سنّتِ خبیب پر عمل کرتے ہوئے دو رکعت نماز پڑھتا ہے۔

جب حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے گلے میں پھندا ڈالا گیا تو انھوں نے یہ دعا کی:

اَللّٰهُمَّ أَحْصِهِمْ عَدَدًا وَاقْتُلْهُمْ بَدَدًا وَلَا تُبْقِ مِنْهُمْ أَحَدًا.

ترجمہ: اے اللہ! آپ ان میں سے ایک ایک کو پکڑیئے، اور ہر ایک کو الگ الگ ماریئے، اور ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑیئے!

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ان کی زبان سے جیسے ہی یہ کلمات نکلے میرے والد ابو سفیان مجھے پکڑ کر زمین پر لیٹ گئے، اس وقت عرب میں بددعا کو دور کرنے کا یہ طریقہ تھا۔

پھر حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار پڑھے:

وَلَسْتُ أُبَالِيْ حِيْنَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا	عَلٰى أَيِّ جَنْبٍ كَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِيْ
وَذٰلِكَ فِيْ ذَاتِ الْاِلٰهِ وَإِنْ يَّشَأْ	يُبَارِكْ عَلٰى أَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِ

ترجمہ: جب میں اسلام کی حالت میں قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کون سے پہلو پر اللہ کے واسطے میری جان جا رہی ہے۔

یہ جو کچھ میرے ساتھ ہو رہا ہے وہ اللہ کے واسطے ہو رہا ہے، اور اگر اللہ چاہے تو میرے جسم کے کٹے ہوئے ٹکڑوں میں بھی برکت پیدا کر سکتا ہے۔ (بخاری شریف)

اپنے محبوب کی خدمت میں آخری سلام

اس کے بعد حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے دعا کی: اے اللہ! میں یہاں دشمنوں کے علاوہ کسی کو نہیں پاتا ہوں، آپ میرا آخری سلام اپنے لاڈلے نبی تک پہنچا دیجیے۔

اس کے بعد کفّار نیزے لے کر ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کو شہید کر دیا۔

ادھر مدینہ منورہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر وحی کے آثار ظاہر ہونے لگے، زبانِ مبارک سے نکلا:

وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَاخُبَيْبُ!

جبریلِ امین ان کا سلام پہنچا رہے تھے، ارشاد ہوا: خبیب کو اللہ کے دشمنوں نے شہید کر دیا۔

چہرہ قبلے کی طرف

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو جب شہید کیا جانے لگا تو انھوں نے چاہا کہ ان کا چہرہ قبلے کی طرف ہو؛ لیکن ان لوگوں نے چہرہ قبلے کی طرف نہیں کیا، جب سولی دے دی گئی تو ان کا چہرہ خود بخود قبلے کی طرف ہو گیا، ان لوگوں نے چہرے کو قبلے سے پھیر دیا تو دوبارہ قبلے کی طرف ہو گیا، وہ لوگ بار بار قبلے کی طرف سے پھیرتے تھے اور ان کا چہرہ خود بخود قبلے کی طرف ہو جاتا تھا، یہاں تک کہ عاجز آ کر ان لوگوں نے اسی حال میں چھوڑ دیا۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کو زمین نے نگل لیا

پھر ان کی لاش کی حفاظت کے لیے مکہ والوں نے چالیس آدمی مقرر کیے جو دن رات پہرہ دیتے تھے؛ تاکہ مسلمان آ کر ان کی لاش نہ لے جائیں۔

ادھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوا: کون ہے جو خبیب کی نعش کو سولی سے اتار لاوے اور جنّت کا حق دار بن جاوے؟

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور مقداد رضی اللہ عنہ تیار ہو گئے، یہ دونوں بڑے بہادر اور بہت عمدہ گھوڑ سوار تھے۔ وہ دونوں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش لینے کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آئے۔ جس وقت وہ پہنچے تو رات ہو چکی تھی اور چالیس دن گزر چکے تھے، پھر بھی لاش جوں کی توں تھی، اس میں کوئی فرق نہیں آیا تھا اور جو چالیس آدمی ان کی نگرانی کے لیے مقرر تھے وہ سب سو رہے تھے۔ ان لوگوں نے بڑے اطمینان سے لاش اتاری، گھوڑے پر رکھی اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔ جب ان لوگوں کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ لاش نہیں ہے تو وہ سب گھوڑے لے کر فوراً تلاش میں نکلے، یہ دونوں جا رہے تھے ان کا پیچھا کیا، جب ان دونوں نے دیکھا کہ ہم پکڑے جائیں گے تو لاش کو زمین پر رکھ دیا، جیسے ہی لاش کو زمین پر رکھا گیا کہ فوراً زمین پھٹی اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش اندر چلی گئی، اور زمین برابر ہو گئی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی لاش پر ان کافروں کو قدرت نہیں دی۔ اس دن سے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو "بَلیعُ الارض" کہا جانے لگا۔

یہ قصہ تو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کا ہوا۔

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا قصہ

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو صفوان بن اُمیہ نے خریدا تھا؛ چوں کہ صفوان کا باپ امیہ غزوۂ بدر میں مارا گیا تھا، اسی کے انتقام کے لیے اس نے حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو خریدا تھا کہ میں اپنے باپ کے بدلے میں ان کو قتل کروں گا، ان کو خریدنے کے بعد اس نے دیر لگانا مناسب نہیں سمجھا؛ اس لیے دوسرے ہی دن ان کو قتل کرنے کے لیے

’’نستاس‘‘ نامی اپنے غلام کے ساتھ حرم کے باہر مقامِ تنعیم میں- جہاں لوگ عمرہ کا احرام باندھنے کے لیے جاتے ہیں اور حرم کے باہر کی سب سے قریبی جگہ وہی ہے- بھیج دیا؛ اس لیے کہ حرم میں قتل کرنے کو وہ لوگ بھی برا سمجھتے تھے۔

جب وہ قتل کے لیے لے جائے گئے اور مکہ والوں کو پتا چلا تو وہ بھی تماشا دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے۔ ان کی قتل کی تیاری ہو رہی تھی تو تماشا دیکھنے والوں میں ابوسفیان بھی تھے جو اس وقت تک اسلام لائے نہیں تھے اور مکہ والوں کے سردار تھے، انھوں نے حضرت زید ﷛ سے پوچھا:

اے زید! سچ سچ بتلاؤ! آج اگر ہم تمھیں چھوڑ دیں اور تم اپنے گھر میں سلامت پہنچ جاؤ اور تمھاری جگہ پر (حضرت) محمد (ﷺ) کو قتل کر دیا جائے (نعوذ باللہ منہ)؛ تو کیا تمھیں یہ پسند ہے؟

جواب میں حضرت زید بن دثنہ ﷛ نے کہا: اللہ کی قسم! حضورِ پاک ﷺ کا قتل ہونا تو دُور کی بات رہی، آپ کو اپنی جگہ پر رہتے ہوئے ایک کانٹا بھی لگ جائے اور مَیں اپنے گھر میں سلامت رہوں؛ یہ بھی مجھے پسند نہیں ہے۔

یہ سن کر ابوسفیان نے کہا: مَیں نے آج تک کبھی کسی کو کسی کے ساتھ ایسا محبت کرنے والا نہیں دیکھا جیسا محمد (ﷺ) کے ساتھیوں کو ان سے محبت کرتے دیکھا۔

واللہ! آپ ﷺ کے صحابۂ کرام ﷡ کو آپ ﷺ سے اتنی زیادہ محبّت تھی، اللہ تعالیٰ اس کا کچھ حصہ ہمیں بھی نصیب فرماوے، آمین۔

پھر کہنے لگے: اب بھی وقت ہے اسلام کو چھوڑ دو، جان بچ جائے گی۔

حضرت زید بن دثنہ ﷛ نے فرمایا: ہرگز نہیں!

کافروں نے غصّے سے کہا: ہم تمھیں قتل کر دیں گے۔

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میری جان اللہ کے راستے میں ایک چھوٹا نذرانہ ہے۔

چناں چہ پھر ان کو شہید کر دیا گیا۔ (حدیث کے اصلاحی مضامین جلد: ۱۲، ص: ۳۹۴ ر سے ۴۰۶)

بدلے کی کارروائی

یہ واقعہ ربیع الاول سن ۶ رہجری میں پیش آیا۔

چوں کہ یہ علاقہ حجاز کے اندرونی حصّے میں ہے؛ اِس لیے حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سزا دینے میں تھوڑی تاخیر فرمائی۔

کچھ مدت بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً دو سو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر ان سے بدلہ لینے کے لیے روانہ ہوئے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی ''بطنِ غرّان'' میں قیام فرمایا تھا، یہ وادیٔ امج'' اور ''عسفان'' کے درمیان ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے رحمت کی دعا بھی فرمائی۔

''بنولحیان'' جنھوں نے ظلم کیا تھا، اس کارروائی میں ان کا کوئی آدمی پکڑا تو نہیں گیا؛ لیکن ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس جگہ سے دس آدمیوں کا ایک سرّیہ روانہ فرمایا تھا، قریش نے جب یہ بات سنی تو وہ مرعوب ہو گئے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اِس جماعت نے ''کراع الغمیم'' تک چکّر لگایا؛ لیکن کوئی مقابلے کے لیے نہیں آیا۔

حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تقریباً چودہ دن گزار کر واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ (از: سیرتِ احمدِ مجتبیٰ، ج: ۲، ص: ۴۱۵)

وادیٔ قُدَید (جس جگہ ''مناۃ'' نام کا بت تھا)
سرّیہ حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ

آگے ہماری منزل تھی ''وادیٔ قدید''، اسی جگہ مشرکین کا مشہور بت ''مناۃ'' تھا، جس کو توڑنے کے لیے حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا تھا۔

''مناۃ'' بہت پرانا بُت تھا، یہ بحیرۂ احمر کے ساحل پر قُدید کے قریب مُشلّل کے مقام پر رکھا ہوا تھا۔ ویسے تو عرب کے تمام قبیلے اس کی تعظیم کرتے تھے اور وہاں جانور ذبح کرتے تھے؛ لیکن اوس اور خزرج کا خاص بت تھا۔

سن ہجری ۸ ر میں جب مکّہ مکرمہ فتح ہوگیا، اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ کو بیس گھوڑ سواروں کے ساتھ اِس ''وادیٔ قدید'' کی جانب روانہ فرمایا تھا۔

حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ جب اس کو توڑنے کے لیے آگے بڑھے تو اس بت کے محافظ نے پوچھا: یہاں کیا کرنے آئے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ: اِس بت کو توڑنے کے لیے آیا ہوں۔ اس نے کہا: اچھا! توڑ دو! اب آپ جانے اور وہ بت جانے، میں کچھ نہیں کرتا۔

چناں چہ حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ جیسے ہی آگے بڑھے، اس بت میں سے ایک سیاہ اور بکھرے بالوں والی، برہنہ (ننگی) عورت باہر نکلی، جو اپنے سینے پر ہاتھ مار رہی تھی اور حضرت سعد بن زید کو رضی اللہ عنہ کوس رہی تھی، حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا اور اس بت کو بھی توڑ دیا۔

حضرت امّ معبد رضی اللہ عنہا کا خیمہ

اس کے بعد ہمارا گزر اس جگہ سے ہوا جہاں حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا کا خیمہ تھا۔ اس مقام کا نام ''قدید'' ہے۔ یہ جگہ ''خلیص'' سے تقریباً ۳۰ رکلومیٹر پر ہے۔

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرماتے وقت اِس ''قدید'' نامی جگہ پر پہنچے، تو حضرت اسما بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا نے آپ لوگوں کے لیے جو توشہ دیا تھا وہ ختم ہو گیا۔

اِس مقام پر ایک عورت رہتی تھی، جن کا اصل نام ''عاتکہ بنتِ خالد'' تھا؛ لیکن وہ ''امّ معبد'' کے لقب سے مشہور تھی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس عورت کی سخاوت کے بارے میں سن رکھا تھا کہ یہ اپنے علاقے سے گزرنے والے مسافروں کی میزبانی کیا کرتی ہے۔ (از: سیرتِ احمدِ مجتبیٰ، ج:۱، ص:۴۵۵)

چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرات امّ معبد رضی اللہ عنہا کے خیمے کے پاس تشریف لے گئے، اس زمانے میں اس علاقے میں قحط سالی تھی، بارش نہیں ہو رہی تھی، اس کی وجہ سے اس کا اثر اس عورت پر بھی تھا اور وہ ٹھیک سے کسی کی مہمانی نہیں کر سکتی تھی۔

چناں چہ اس وقت اس کے پاس کچھ بکریاں موجود تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ایک کمزور بکری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم اِس بکری میں سے اپنے لیے کچھ دودھ نکال لیں۔

حضرت امّ معبد رضی اللہ عنہا نے کہا: ضرور! لیکن مجھے امید نہیں ہے کہ اس میں سے کچھ دودھ نکلے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ

چناں چہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بکری کے پاس تشریف لے گئے، اس کی پیٹھ پر اپنا مبارک ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی، تو وہ بکری اپنے دونوں پیر پھیلا کر کھڑی ہوگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا دودھ نکالنے لگے؛ گویا ایسا معلوم ہورہا تھا کہ کوئی تازہ دودھ سے بھری بکری دودھ دے رہی ہے۔

جب دودھ نکل گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اول حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ: آپ پی لیجیے، پھر وہاں موجود لوگوں نے پیا اور اس کے بعد آخر میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوش فرمایا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ تھے۔

پھر واپس دوہنا شروع کیا اور پورا برتن بھر دیا، حضرت امّ معبد رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان اخلاقِ عالیہ سے بہت متاثر ہوئی۔

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر کا ایمان

پھر جب ان کے شوہر گھر تشریف لائے، حضرت امّ معبد رضی اللہ عنہا نے ان کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پورا واقعہ اور حلیہ مبارک بیان کیا، وہ سن کر کہنے لگے: یہ تو وہی قریشی نوجوان ہے جن کے بارے میں ہم نے سن رکھا تھا کہ وہ نبی ہونے کا اعلان کرتے ہیں؛ لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اگلی منزل کے لیے نکل چکے تھے؛ چناں چہ وہ دونوں میاں بیوی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لے گئے اور ایمان کی دولت سے مالا مال ہوگئے۔

حضرت امّ معبد رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرا معجزہ یہ تھا کہ جس بکری سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ نکالا تھا وہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خلافت کے

زمانے تک (تقریباً ۲۲ رسال) زندہ رہی تھی؛ حالاں کہ عام طور بکریاں اتنی لمبی مدت تک زندہ نہیں رہا کرتیں!

مشکوۃ شریف میں بڑی تفصیل سے یہ روایت ہے:

وَعَن حَازِمِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ حُبَيْشِ بن خَالِدٍ- وَهُوَ أَخُو أُمِّ مَعْبَدٍ- أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ -حِينَ أُخْرِجَ مِنْ مَكَّةَ- خَرَجَ مُهَاجِرًا إِلَى الْمَدِينَةِ هُوَ وَأَبُو بَكْرٍ وَمَوْلَى أَبِي بَكْرٍ: عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ وَدَلِيلُهُمَا: عَبْدُ اللهِ اللَّيْثِي، مَرُّوا عَلَى خَيْمَتَيْ أُمِّ مَعْبَدٍ فَسَأَلُوهَا لَحْمًا وَتَمْرًا لِيَشْتَرُوا مِنْهَا. فَلَمْ يُصِيبُوا عِنْدَهَا شَيْئًا من ذٰلِك وَكَانَ الْقَوْمُ مُرْمِلِيْنَ مُسْنِتِيْنَ فَنَظَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَى شَاةٍ فِي كِسْرِ الْخَيْمَةِ فَقَالَ: مَا هٰذِهِ الشَّاةُ يَا أُمَّ معبدٍ؟ قَالَتْ: شَاةٌ خَلَّفَهَا الْجَهْدُ عَنِ الْغَنَمِ. قَالَ: هَلْ بِهَا مِنْ لَبَنٍ؟ قَالَتْ: هِيَ أَجْهَدُ مِنْ ذٰلِكَ. قَالَ: أَتَأْذَنِينَ لِي أَنْ أَحْلِبَهَا؟ قَالَتْ: بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي! إِنْ رَأَيْتَ بِهَا حلباً فَاحْلِبْهَا. فَدَعَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ بِيَدِهِ ضَرْعَهَا وَسَمَّى اللهَ تَعَالَى وَدَعَا لَهَا فِي شَاتِهَا فَتَفَاجَتْ عَلَيْهِ وَدَرَّتْ وَاجْتَرَّتْ فَدَعَا بِإِنَاءٍ يُرْبِضُ الرَّهْطَ فَحَلَبَ فِيهِ ثَجًّا حَتَّى علاهُ الْبَهَاءُ ثُمَّ سَقَاهَا حَتَّى رَوِيَتْ وَسَقَى أَصْحَابَهُ حَتَّى رَوُوا، ثُمَّ شَرِبَ اٰخِرَهُمْ، ثُمَّ حَلَبَ فِيهِ ثَانِيًا بَعْدَ بَدْءٍ حَتَّى مَلَأَ الْإِنَاءَ، ثُمَّ غَادَرَهُ عِنْدَهَا وَبَايَعَهَا وَارْتَحَلُوا عَنْهَا. رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ وَابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ فِي الِاسْتِيعَابِ وَابْنُ الْجَوْزِيِّ فِي كِتَابِ الْوَفَاءِ وَفِي الْحَدِيث قصَّةٌ. (مشکوۃ شریف، رقم الحدیث: ۵۹۴۳)

ترجمہ: حضرت حزام بن ہشام اپنے والد سے، وہ اپنے دادا حبیش بن خالد سے- جو ام معبد کے بھائی ہیں- روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب مکہ سے نکالا گیا تو آپ ﷺ مکہ سے مدینہ کی طرف مہاجر کی حیثیت سے روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ

کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام: عامر بن فہیرہ تھے اوران کی راہنمائی کرنے والے عبداللہ اللیثی تھے، جب وہ ام معبد کے خیمے کے پاس سے گزرے تو انھوں نے اس سے گوشت اور کھجور کے متعلق دریافت کیا؛ تاکہ وہ اس سے خرید لیں؛ لیکن انھیں اس کے ہاں کوئی چیز نہ ملی، جب کہ ان کے پاس زادِراہ نہیں تھا اور وہ قحط سالی کا شکار ہو چکے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیمے کے ایک کونے میں ایک بکری دیکھی تو فرمایا: ام معبد! یہ بکری کیسی ہے؟ اس نے بتایا کہ: یہ لاغر پن کی وجہ سے ریوڑ کے ساتھ نہیں جاسکتی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ دودھ دیتی ہے؟ اس نے عرض کیا: یہ اس لائق نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم مجھے اجازت دیتی ہو کہ میں اس کا دودھ دھولوں؟ اس نے عرض کیا: میرے والدین آپ پر قربان ہوں! اگر آپ اس میں دودھ دیکھتے ہیں تو ضرور دھولیں!

چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے طلب فرمایا، اس کے تھن پر اپنا دستِ مبارک لگایا، اللہ تعالیٰ کا نام لیا، ام معبد کے لیے اس بکری کے بارے میں دعائے خیر فرمائی، اس نے پاؤں کھول دیے، دودھ چھوڑ دیا، اور وہ جگالی کرنے لگی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک برتن منگایا، جو ایک جماعت کو سیراب کرسکتا تھا، اس میں دودھ دوہنے لگے، اتنا دودھ نکلا کہ اس پر جھاگ آ گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام معبد کو پلایا؛ یہاں تک کہ وہ خوب سیراب ہوگئی، پھر اپنے ساتھیوں کو پلایا؛ یہاں تک کہ وہ سیراب ہو گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب کے آخر میں خود پیا، پھر آپ نے اس برتن میں دوسری مرتبہ دودھ نکالا؛ یہاں تک کہ برتن بھر گیا، اس (دودھ) کو ام معبد کے پاس چھوڑ دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے اسلام پر بیعت لی، پھر سب اس کے پاس سے روانہ ہو گئے۔

اِس واقعے کا دوسرا پہلو

بہر حال! ادھر مدینہ منورہ کے راستے میں یہ واقعہ پیش آیا، دوسری طرف مکہ مکرمہ میں ایک ہاتفِ غیبی (غیبی آواز) نے کچھ اشعار پڑھے، لوگوں کو آواز تو صاف سنائی دیتی تھی؛ مگر اشعار پڑھنے والا کہیں نظر نہیں آتا تھا!

ہاتفِ غیبی کے اشعار

جن میں سے کچھ اشعار یہ ہیں:

جَزَى اللّٰهُ رَبُّ النَّاسِ خَيْرَ جَزَائِهِ	رَفِيْقَيْنِ حَلَا خَيْمَتَيْ اُمِّ مَعْبَدِ
هُمَا نَزَلَاهَا بِالْهُدٰى فَاهْتَدَتْ بِهِ	فَقَدْ فَازَ مَنْ اَمْسٰى رَفِيْقَ مُحَمَّدِ
سَلُوا أُخْتَكُمْ عَنْ شَاتِهَا وَ إِنَائِهَا	فَإِنَّكُمْ إِنْ تَسْأَلُوا الشَّاةَ تَشْهَدِ
دَعَاهَا بِشَاةٍ حَائِلٍ فَتَحَلَّبَتْ	عَلَيْهِ صَرِيْحًا ضَرَّةُ الشَّاةِ مُزْبِدِ
فَغَادَرَهَا رَهْنًا لَدَيْهَا لِحَالِبٍ	يُرَدِّدُهَا فِي مَصْدِرٍ ثُمَّ مَوْرِدِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان دونوں رفیقوں کو جزائے خیر دے، جو امِ معبد کے خیمے میں اترے۔

دونوں ہدایت لے کر اترے، پس امِ معبد نے ہدایت قبول کی اور مراد کو پہنچا وہ شخص جو اس سفر میں محمد کا رفیق رہا۔

تم اپنی بہن سے اس کے برتن اور بکری کا حال تو دریافت کرو، اگر تم بکری سے دریافت کروں گے تو وہ بھی گواہی دے گی۔

آپ نے اس سے ایک بکری مانگی، اس نے اس قدر دودھ دیا کہ کف سے بھرا ہوا تھا۔

پھر وہ بکری آپ اسی کے پاس چھوڑ آئے، جو ہر آنے جانے والے کے لیے دودھ نچوڑتی تھی۔ (از: سیرتِ مصطفیٰ، ج:۱، ص:۳۷۵)

سراقہ بن مالک کے زمین میں دھنسنے کی جگہ

ہجرت کے سفر کے موقع پر اسی مقامِ قدید میں ایک دوسرا عجیب واقعہ پیش آیا:
جب مکہ والے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گرفتار کرنے سے عاجز ہو گئے، تو انھوں نے اعلان کیا کہ:- نعوذ باللہ!- جو بھی محمد اور ان کے ساتھی (ابوبکر) کو قتل کر کے یا زندہ پکڑ کر لاوے گا، اس کو سو اونٹ انعام میں دیے جاویں گے۔
''سراقہ بن مالک'' اپنے قبیلے ''بنو مدلج'' کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک آدمی آ کر کہنے لگا: ابھی میں نے سمندر کے کنارے سے کچھ لوگوں کو گزرتے ہوئے دیکھا ہے، میرا خیال ہے کہ وہ محمد اور ان کے ساتھی تھے۔
سراقہ بن مالک فوراً سمجھ گیا کہ یہ محمد اور ان کے ساتھی ہی ہوں گے؛ لیکن انعام کی لالچ میں اس نے یہ کہتے ہوئے سامنے والے کی بات رد کر دی کہ: گزرنے والے لوگ محمد اور ان کے ساتھی نہیں تھے، شاید تم نے کسی اور کو دیکھا ہوگا!
ایسا اس لیے کہا؛ تاکہ کوئی پیچھا کرنے نہ جائے اور انعام حاصل نہ کرے۔

سراقہ کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیچھا کرنا

اس کے بعد سراقہ اپنے گھر گئے، تیر، کمان اور گھوڑا لے کر چپکے سے اپنے گھر کے پیچھے والے حصّے سے نکل گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیچھا کرتے ہوئے بالکل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچ گئے۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نظر اس پر پڑی تو وہ رونے لگے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ: ابوبکر! کیوں رو رہے ہو؟ اللہ ہمارے ساتھ ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اللہ کی قسم! میں اپنی جان کی حفاظت کی خاطر نہیں رو رہا ہوں؛ بلکہ مجھے آپ کی فکر ستا رہی ہے!

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اكْفِنَاه بِمَا شِئْتَ. (حیاۃ الصحابہ، ج:۱، ص:۲۳۵)

ترجمہ: اے اللہ! آپ جس طرح چاہیں اِس سراقہ سے ہماری حفاظت فرمائیے۔

سراقہ کے گھوڑے کا زمین میں دھنس جانا

چناں چہ سراقہ جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب آیا، زمین پھٹی اور اس کے گھوڑے کے پیر زمین میں دھنس گئے، وہ اپنے گھوڑے سے کود پڑا اور کہنے لگا: اے محمد! مجھے معلوم ہے کہ یہ آپ نے ہی کیا ہے، آپ دعا کیجیے کہ میرا گھوڑا زمین سے باہر آجاوے، میں آپ کے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤں گا اور آپ کے راستے میں کسی کو آنے بھی نہیں دوں گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی تو اس کا گھوڑا زمین سے باہر آ گیا۔

لیکن سو اونٹ کی لالچ میں واپس وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیچھا کرنے لگا تو پھر سے اس کے گھوڑے کے پیر زمین میں دھنس گئے؛ لیکن اِس مرتبہ اس نے سچی پکی توبہ کر لی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واپس دعا کی اور اس کا گھوڑا باہر آ گیا، کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے ایک امان نامہ لکھ دیجیے؛ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ سے ایک امان نامہ تیار کروا کے ان کو سپرد کر دیا۔

صادق المصدوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی

ایک حدیث شریف میں یہ مضمون بھی ہے کہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت سراقہ بن مالک سے فرمایا تھا:

كَيْفَ بِكَ إِذَا أُلْبِسْتَ سِوَارَ كِسْرٰى!

ترجمہ: اے سراقہ! اس وقت تیرا کیا حال ہوگا، جس وقت تجھے کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے؟

کسریٰ کے کنگن سراقہ کے دستانوں میں!

چناں چہ جب حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے خلافت کے زمانے میں ایران فتح ہوا، اس وقت کسریٰ کے تاج اور اس کے کنگن اور دیگر زیورات مسجدِ نبوی میں حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے لاکر ڈال دیے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سراقہ کو بلاؤ! ان کو حاضر کیا گیا، اس کے بعد آپ نے سراقہ سے مخاطب ہوکر فرمایا: اپنا ہاتھ اٹھا اور یہ کہہ:

اَللّٰهُ اَكْبَرْ! اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ سَلَبَهُمَا مِنْ كِسْرٰى بْنِ هُرْمُزَ وَ اَلْبَسَهُمَا سُرَاقَةَ الْاَعْرَابِیَّ. اَللّٰهُ اَكبر!

ترجمہ: تمام تعریفیں اس پاک ذات کے لیے ہے جس نے یہ کنگن کسریٰ سے چھینے اور گنوار بدو آدمی سراقہ بن مالک کو پہنائے۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ تمام زیورات مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیے۔

بہر حال! جس جگہ یہ زمین میں دھنسنے کا واقعہ پیش آیا تھا وہ جگہ ہم نے دیکھی۔

غَدیرِ خُم

اس کے بعد ہم غدیرِ خم پہنچے۔

"غدیرِ خم" مکہ اور مدینہ کے درمیان جحفہ میں ایک جگہ کا نام ہے، مکہ سے تقریباً ۲۵۰ رکلومیٹر کے فاصلے پر ہے، آج کل اس کو "الغربہ" کہا جاتا ہے۔

حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے حجۃ الوداع سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا، حج کے موسم میں وہ سیدھے یمن سے مکہ مکرمہ پہنچ گئے تھے، اِس موقع پر بعض حضرات نے مالِ غنیمت کی تقسیم وغیرہ کے حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا اور یہ اعتراض براہِ راست حضرت نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں جا کر دہرایا۔

اس موقع پر آپ ﷺ نے ان کو الگ سے سمجھایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حق پر بتلایا، نیز ان کے دِل سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلّق جو میل تھا وہ بھی صاف کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ

البتہ سفرِ حج سے واپسی کے بعد یہ بات حجاج صحابہ کے درمیان چلتی رہی، آپ ﷺ نے یہ محسوس فرمایا کہ اِس حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قدر و منزلت اور ان کا برحق ہونا بیان فرمائیں؛ چناں چہ سفر کے دوران اسی مقامِ غدیر میں آپ ﷺ نے ایک خطبہ (بیان) ارشاد فرمایا، جس میں آپ ﷺ نے حکیمانہ انداز میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا برحق ہونا واضح فرمایا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَللّٰھُمَّ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ.

ترجمہ: اے اللہ! جو مجھے دوست رکھے گا وہ علی کو بھی دوست رکھے گا۔

یوم غدیرِ خم اور روافض کا طرزِ عمل

حضرت نبیٔ کریم ﷺ کی حجۃ الوداع کے موقع پر ۱۴؍ ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ سے واپسی ہوئی تھی اور ۱۷ یا ۱۸؍ ذی الحجہ کو ''غدیرِ خم'' پر قیام پذیر تھے، اس وقت آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی براءت کے بارے میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔

بندے نے ہمارے گجرات کے ''دمن'' شہر۔ جہاں دینی نسبت سے بکثرت آنا جانا رہتا ہے۔ وہاں روافض کا یہ طرزِ عمل اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ لوگ ۱۷؍ ذی الحجہ کو ایک اشتہار (banner) لگاتے ہیں، اس پر لکھا تھا کہ'' آج خلافتِ علی کے اعلان کا دن ہے''، ساتھ ہی وہ لوگ اس وقت جشن منا رہے تھے۔

اس لیے اس موقع پر دو چار باتیں سمجھ لینا بہت اہم ہے:

حدیث کا مطلب یہ ہے "میں جس کا دوست ہوں، علی بھی اس کے دوست ہیں"۔

یہاں ''ولاء'' سے ولائے اسلام مراد ہے اور آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات ان کے علم وفہم، حسنِ سیرت، باطن کی صفائی اور قدامت فی الاسلام کی وجہ سے ارشاد فرمائی۔

بعض لوگ اس کا شانِ ورود "غدیر خم" کا واقعہ قرار دیتے ہیں تو گویا آپ کا مقصد یہ تھا کہ انسان ہونے کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کے بعض ساتھیوں کو جو دوستانہ شکایت پیدا ہوگئی ہے وہ دور ہو جائے۔

"علی مولیٰ" یا "مولیٰ علی" کہنا کیسا ہے؟

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ "علی مولیٰ" یا "مولی علی"

کہنا مناسب نہیں؛ کیوں کہ عرف میں "مولیٰ" کا اطلاق "آقا" پر ہوتا ہے اور حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے۔

اور اگر شیعوں کے عقیدۂ حلول کے مطابق "علی مولیٰ" کہا جائے تو یہ شرکیہ کلمہ ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔

"مولیٰ" لغتِ عرب میں بہت سے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، نیز مخلص دوست، پڑوسی، تابع دار، آزاد کردہ غلام، مددگار وغیرہ کے معنیٰ میں "مولیٰ" کا اطلاق ہوتا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں پر "مخلص دوست" کے معنیٰ میں استعمال فرمایا ہے، حدیث کا معنیٰ ہے: میں جس کا مخلص دوست ہوں، سو علی بھی اس کے مخلص دوست ہیں؛ یعنی جو حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھتا ہے وہ علی سے بھی محبت رکھے، ان سے عداوت نہ رکھے۔ (از: تحفة الالمعی: ۸/ ۳۵۴)

اس معنیٰ کے اعتبار سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی مولیٰ "اصولاً" کہا جا سکتا ہے؛ لیکن چوں کہ اس میں شیعوں کے ساتھ مشابہت ہے، شیعہ "مولیٰ علی" دوسرے معنیٰ میں استعمال کرتے ہیں؛ اس لیے اس سے بچنا چاہیے۔

واضح رہے کہ "مولیٰ" کا لفظ کلماتِ مشترکہ میں سے ہے جس کے متعدد معانی آتے ہیں، ان معانی میں سے کسی ایک معنیٰ کو ترجیح دینے اور کہنے والے کی مراد سمجھنے کے لیے اس کلمہ کا استعمال، اس کا سیاق وسباق اور سامعین نے جملہ میں استعمال کے بعد اس کا کیا معنیٰ سمجھا ہے، اسے بھی جاننا ضروری ہوتا ہے۔

① حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق "من کنت مولاہ فعلي مولاہ" والی روایت مختلف طرق سے مختصر وطویل متن کے ساتھ متعدد کتب حدیث میں منقول ہے،

ان تمام روایات کے مجموعے کے سیاق وسباق اور پس منظر پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے ''مولیٰ'' کا لفظ محب، دوست اور محبوب کے معنی میں استعمال فرمایا ہے اور یہی معنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا تھا؛ لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے ''مولیٰ'' کا لفظ اسی معنی میں استعمال کرنا چاہیے۔

(۲) ''مولیٰ'' کا ایک معنی سردار بھی آتا ہے، اس معنی کے اعتبار سے بھی ''مولا علی'' کہنا جائز ہوگا۔ تاہم ''مولا علی'' آج کے زمانے میں ایک گمراہ فرقے کا شعار بن چکا ہے اور ''مولا علی'' کے الفاظ کے پیچھے ان کا ایک نظریہ چھپا ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم ﷺ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد خلافت کے زیادہ حق دار تھے وغیرہ؛ حالاں کہ خود حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے کئی احادیث میں اور اپنے عملِ مبارک سے اپنے بعد خلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے اشارتاً، دلالتاً بتلا دی تھی اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے اتفاق سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفۂ اول بنے، خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی کچھ وقت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کر لی تھی۔

لہٰذا ان الفاظ کے استعمال سے اجتناب کرنا چاہیے، خصوصاً ایسے مواقع پر جہاں سننے والے ''مولا علی'' کے مختلف معانی کے فرق اور پس منظر کو نہ سمجھتے ہوں۔

سریّۂ حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ (بطنِ رابغ)

اس کے بعد ہم بطنِ رابغ میں پہنچے جہاں سریہ حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ پیش آیا تھا۔

اس سریہ کا پس منظر ابن اسحاقؒ کے بیان کے مطابق یہ تھا کہ مشرکین کی ایک جماعت عکرمہ بن ابی جہل کی ماتحتی میں مسلمانوں کی ٹوہ اور ان کا حال چال معلوم کرنے

کے لیے نکلی تھی؛ چناں چہ اللہ کے رسول ﷺ کو جب اس بارے میں پتا چلا تو آپ ﷺ نے ایک گشتی دستہ تیار فرمایا۔ (از: سیرتِ احمدِ مجتبیٰ، ج:۲، ص:۱۵۶)

اس کے بعد حضور ﷺ نے حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر اس دستے کو ''بطنِ رابغ'' کی جانب روانہ فرمایا تھا، سامنے والے گروہ میں ''ابوسفیان بن حرب'' کے ساتھ تمام قسم کے ہتھیاروں سے لیس دوسو آدمی تھے؛ دونوں جانب سے کچھ تیر اندازی ہوئی، باقاعدہ تلوار سے جنگ کی نوبت نہیں آئی؛ حالاں کہ قریش سامان اور تعداد دونوں اعتبار سے مسلمانوں سے زیادہ تھے۔

اسلام میں سب سے پہلا تیر

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ ہم تو خبر گیری کے لیے آئے ہیں، اگر قریش نے حملہ کر دیا تو لڑائی شروع ہو جائے گی، بہتر یہ ہے کہ پہلے ہی دشمنوں کی ہمت توڑ دی جائے، انھوں نے ترکش میں دیکھا تو آٹھ تیر تھے، ان میں سے ایک تیر نکال کر دشمن کی طرف چلایا، یہ راہِ خدا میں چلایا جانے والا سب سے پہلا تیر تھا!

حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بعد میں بطورِ فخر یہ بات ارشاد فرمایا کرتے تھے:

إِنِّي لَأَوَّلُ الْعَرَبِ رَمٰى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ. (البخاری، رقم الحدیث:۳۷۲۸)

ترجمہ: میں سب سے پہلا عرب ہوں، جس نے اللہ کے راستے میں تیر چلایا تھا!

آپ رضی اللہ عنہ کا کوئی تیر بے کار نہیں گیا، کسی آدمی، کسی اونٹ اور کسی گھوڑے کے جسم کو لگا، ابوسفیان سمجھ گیا کہ یہ تیر چلانے والا کون ہے، اس کے دل میں خیال آیا کہ: اتنے کم لوگ اور اتنی زیادہ ہمت! ضرور ان کی مدد کے لیے کوئی لشکر چھپا ہوگا، اس خیال سے ابوسفیان کے حوصلے اڑ گئے اور دم دبا کر بھاگ نکلا۔ (از: سیرتِ احمدِ مجتبیٰ، ج:۲، ص:۱۵۶)

اِس سریہ کی دوسری خوبی یہ ہے کہ ابوسفیان کے لشکر میں سے دو آدمی: حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ اور حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ آکر مسلمانوں کے لشکر میں مل گئے، یہ دونوں حضرات مسلمان ہو چکے تھے؛ مگر کافروں نے ان کو زبردستی مکہ مکرمہ میں روکے رکھا تھا، یہ حضرات ان کے ساتھ اِس لیے آئے تھے کہ ان کو مدینہ منورہ پہنچنے کا کوئی ذریعہ مل جاوے۔

حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کے اِس سریہ میں مسلمانوں کا ''سفید جھنڈا'' تھا، جس کو حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ اٹھائے ہوئے تھے۔

اِسی مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ''واقعۂ اِفک'' میں آیا ہے۔

غزوۂ وَدّان (اَبواء) کی جگہ

یہ وہ جگہ ہے، جہاں ''غزوۂ ودّان'' پیش آیا تھا۔

وَدّان یہ ''وَدٌّ'' سے بنا ہے، جس کے معنی محبّت کے آتے ہے، یہ ابواء سے تقریباً ۱۳ رکلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور جحفہ سے -جو کہ میقات ہے- تقریباً ۱۰۰ رکلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

حضرت صعب بن جثّامہ رضی اللہ عنہ اسی ''ودّان'' کے رہنے والے تھے۔

یہ غزوہ ہجرت کے دوسرے سال سفر کے مہینے میں پیش آیا تھا۔

اکثر محدثین کی تحقیق کے مطابق یہ اسلام میں سب سے پہلا غزوہ ہے، جس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود قریش کے ایک قافلے کو روکنے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔

جب کہ امام ابن ہشامؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ: اس غزوے کا مقصد ''بنوضمرہ''

سے غیر جانب داری کا معاہدہ کرنا تھا۔ (سیرتِ احمدِ مجتبیٰ، ج:۲، ۱۶۴)

اِس غزوے میں شرکت کرنے والے صرف مہاجرین ہی تھے، جن کی تعداد ساٹھ (۶۰) یاستر (۷۰) تھی، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مقامِ ''ابواء'' تک تشریف لے گئے تھے؛ لیکن لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔

مَخشِی بن عمرو کے ساتھ معاہدہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقصد صرف قریش کا تجارتی قافلہ روکنا تھا؛ مگر وہ آگے نکل چکا تھا، وہاں ''بنوضمرہ'' ایک قبیلہ تھا جن کا سردار ''مخشی بن عمرو ضمری'' تھا، ان کے ساتھ معاہدہ ہوا، اس میں یہ طے ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کے ساتھ جنگی کارروائی نہ فرمادیں اور بنوضمرہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے، نیز اِس معاہدے کے باقاعدہ دستاویز بھی تیار کیے گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ کا مدینہ کا سفر

حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ کا مزار بھی اسی جگہ (ابواء میں) ہے۔

جب حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر جب چھ سال کی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ آمنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور باندی امِ ایمن کے ساتھ دو اونٹوں پر سوار ہو کر مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئی اور ''دار النابغہ'' میں قیام کیا، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والد کی قبر تھی۔

بچپن کا ہر واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذہن میں نقش تھا

ماں آمنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو لے کر ایک مہینے تک مدینہ میں قیام فرمایا؛ لیکن تعجب

کی بات یہ تھی کہ اس چھ سالہ بچے کے ذہن میں ان دنوں کا ایک ایک واقعہ نقش تھا!

چناں چہ ہجرت کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حافظے میں والد کا مدفن، والدہ کا قیام، بنی نجار کا وہ کنواں جہاں آپ نے تیرنا سیکھا تھا سب محفوظ تھا۔

آمنہ نے بھی اپنے لختِ جگر کا ساتھ چھوڑ دیا

کچھ دن مدینہ منورہ قیام کرنے کے بعد جب یہ مبارک قافلہ مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوا تو راستے میں بدر کے قریب ''مقامِ ابواء'' میں حضرت آمنہ بیمار ہو گئیں اور اسی بیماری میں ان کا انتقال ہو گیا، اب یہ چھ سال کا معصوم بچہ اپنی والدہ کی شفقت اور محبت سے بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم ہو گیا۔

ماں آمنہ کے تسلی بھرے الفاظ

جب ماں آمنہ کا انتقال کا وقت قریب تھا، اس وقت انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بطورِ تسلی کچھ جملے ارشاد فرمائے تھے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

ہر زندہ ایک نہ ایک دن مر جائے گا، ہر چیز کی قسمت میں پرانا ہونا ہے، ہر ایک کی منزل فنا ہونا ہے، میں مروں گی؛ مگر میرا ذکر رہتی دنیا تک باقی رہے گا؛ اس لیے کہ میں نے میری نشانی کے طور پر خیرِ عظیم کو چھوڑا ہے، میں نے ایک طیب و طاہر کو جنم دیا ہے۔

(از: سیرتِ احمدِ مجتبیٰ، ج:۱، ص:۱۱۹)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی والدہ کی قبر پر حاضری

کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی والدہ کی قبر پر حاضر ہوئے تھے؟

اس سلسلے میں مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: زَارَ النَّبِيُّ ﷺ قَبْرَ أُمِّهِ فَبَكَى، وَأَبْكَى مَنْ حَوْلَهُ، فَقَالَ: اِسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِي أَنْ أَسْتَغْفِرَ لَهَا، فَلَمْ يُؤْذَنْ لِي، وَاسْتَأْذَنْتُهُ فِي أَنْ أَزُورَ قَبْرَهَا، فَأُذِنَ لِي، فَزُوْرُوْا الْقُبُورَ؛ فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ. (فتح الملهم شرح صحیح مسلم، کتاب الجنائز، ج:٦، ص:٥٧)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ: ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت فرمائی، سو آپ ﷺ کو اور آپ کے ساتھ والوں سب کو رونا آگیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے اجازت چاہی کہ میں اپنی والدہ کے لیے استغفار کروں؛ لیکن مجھے اجازت نہیں ملی، پھر میں نے اس بات کی اجازت چاہی کہ میں ان کی قبر کی زیارت کیا کروں تو مجھے اجازت مل گئی، سو تم لوگ قبروں کی زیارت کیا کرو؛ کیوں کہ وہ موت کی یاد دلاتی ہے۔

وڈّان میں مغرب کی نماز

ہم نے وڈّان میں مغرب کی نماز ادا کی، مسجد میں جماعت تو ہو چکی تھی، ہم جب پہنچے اس وقت مسجد میں درس کی مجلس بھی لگی ہوئی تھی، سامعین (یہاں کے کچھ مقامی لوگ ہوں گے) کے لیے بہترین طریقے پر درس سننے کا اہتمام کیا جاتا ہے، تقریباً آٹھ، دس سامعین تھے، ایک شیخ ان کو درس دے رہے تھے، بہت آرام دہ سیٹے بنائی گئی تھیں جن پر ٹیک لگا کر یہ حضرات درس سن رہے تھے اور کرسی پر بیٹھ کر شیخ درس دے رہے تھے، آٹھ دس حضرات تھے؛ لیکن باقاعدہ مائیک کا انتظام تھا، مسجد میں ائیر کنڈیشن (اے-سی) چالو تھا، خوب روشنی کا انتظام تھا، اس قدر سہولیات فراہم کر کے درس جاری تھا۔

ایک شخص کا ہماری نگرانی کرنا

نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہم مسجد سے باہر نکلے؛ چوں کہ ہم میں سے اکثر حضرات کے بدن پر اسلامی طرز کا ہندوستانی لباس تھا؛ اس لیے ہمیں دیکھ کر ایک سانولے رنگ کے، موٹے تازے اور لمبی ڈارھی والے آدمی اٹھ کر باہر آ گئے، ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ہمارا پیچھا کر رہے ہیں اور بڑی تیز نگاہوں سے ہماری نگرانی کر رہے تھے۔

ہم جب چائی کی دکان سے چائی پی کر فارغ ہوئے تب بھی وہ شخص اسی جگہ تھے اور وہ ہماری نقل وحرکت پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے، عرفان بھائی چوں کہ پہلے بھی اس علاقے میں آچکے تھے، وہ بتلا رہے تھے کہ: یہ لوگ بدعت (مزعومہ) کے عنوان سے بہت سی چیزوں کو حد سے زیادہ روکنے کی کوشش کرتے ہیں، غالباً وہ بھی اسی مقصد سے ہمارے پیچھے لگے تھے کہ ہم اِن تاریخی مقامات پر پہنچ کر کہیں کوئی (نعوذ باللہ) بدعت کا کام تو نہ کریں؟

مقام اور جگہ میں برکت قرآن وحدیث سے

قرآن وحدیث کی نصوص سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وقت اور مکان میں کسی خاص سبب سے برکت شامل ہوتی ہے:

① حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے واقعے میں خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ

اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ (آلِ عمران:۳۸)

ترجمہ: اس موقع پر (اسی جگہ) زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی (زکریا علیہ السلام نے دعا میں) عرض کیا: اے میرے رب! آپ مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرمائیے، یقینی بات ہے کہ آپ دعا کو بہت سنتے ہیں۔

یعنی جس جگہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی تھی اس متبرک مقام پر موقع غنیمت سمجھ کر حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی مراد کے لیے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے وہ دعا قبول فرمائی۔

② اصحابِ کہف کی قیام کی جگہ پر بعد کے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بطور یادگار مسجد بنائی۔

قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾ (الکہف)

ترجمہ: جن کا کام غالب تھا کہنے لگے: ہم ضرور ان پر ایک مسجد بنائیں گے۔

بس اتنی بات ملحوظ رہے کہ اس طرح کے مقامات مستند ہوں، بے سند نہ ہوں اور دوسرا وہاں خلافِ شرع اور شرک و بدعت یا مثلِ شرک و بدعت کام سے اپنے آپ کو بالکلیہ بچایا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حدیبیہ کا درخت کٹوا دینا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلحِ حدیبیہ کے موقع پر جس درخت کے نیچے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے جہاد پر بیعت لی تھی، بعد میں لوگ اس درخت کو متبرک سمجھنے لگے اور اس کی زیارت کرنے جانے لگے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس بارے میں پتا چلا تو آپ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس

درخت کو جڑ سے کاٹ دیا جاوے، جس کی وجہ یہ تھی کہ آئندہ زمانے میں اس جگہ شرک و بدعت کے کام نہ کیے جاویں!

نیز کچھ لوگوں نے اپنے طور پر اس کی تعیین کر دی تھی؛ حالاں کہ بہت سے حضرات کو اس درخت میں التباس ہو گیا تھا۔

ینبوع میں رات کا قیام

جب ہم سنیچر کے دن ''ینبوع'' پہنچے تو ہم رات کے قیام کے سلسلے میں بہت فکر مند تھے کہ رات کا قیام کس جگہ کیا جاوے؟

ینبوع میں پہنچ کر پہلے ہم نے کھانا کھایا، ماشاء اللہ! عرفان بھائی کے خالہ زاد بھائی محترم عمران بھائی اپنے ساتھ نہاری، قیمہ، کباب سب چیزیں اس انداز سے بنا کر لائے تھے کہ وہ خراب نہ ہو، بس اس کو ہم نے ایک جگہ ہوٹل میں گرم کیا، باہر کھلی فضا میں دستر خوان لگایا، اطمینان سے بیٹھ کر کھانا کھایا، مساجد میں عشا کی نماز ہو چکی تھی اس لیے مساجد بند ہو چکی تھیں تو ایک بس اسٹیشن پر ہم نے عشا کی نماز با جماعت ادا کی۔

یہاں الحمد للہ! بس اسٹیشن پر بھی نماز کی جگہ، وضو کا انتظام ہوتا ہے جو مسافر کے لیے راحت کا ذریعہ بنتی ہے۔

ہمارے محترم عرفان بھائی نے مولانا حذیفہ صاحب؛ مقیم: مدینہ منورہ کو فون کیا اور انھوں نے حیدر آباد کے سعید بھائی سے رابطہ کیا، ماشاء اللہ! انھوں ینبوع میں رات میں اپنے گھر ہمارا قیام کروایا۔

ان کی فیملی وطن گئی ہوئی تھی، ماشاء اللہ! ان کے فلیٹ میں بڑی وسعت تھی، وہیں رات کو سب ساتھیوں کا قیام ہوا، مختصر مذاکراتی بیان بھی ہوا، فجر کی نماز پڑوس کی ایک

وسیع مسجد میں ادا کی اور اس کے بعد قافلہ آگے کے لیے روانہ ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے! بہت اچھا قیام رہا، صبح میں نے سعید بھائی کا شکریہ ادا کیا، میں نے ان سے کہا کہ: ہمیں آپ کے گھر میں اپنے گھر جیسا احساس ہوا۔

اس کے بعد انھوں نے بھی میرا شکریہ ادا کیا اور کہنے لگے: تبلیغی آدمی دنیا میں جہاں بھی جاتا ہے، اسے کہیں بھی اجنبیت معلوم نہیں ہوتی، ہر جگہ اسے اپنائیت ہی محسوس ہوتی ہے!!!

عرفان بھائی کا تعارف

پورا نام: عرفان عبد الجبار سورتی ہے۔

عرفان بھائی الحمد للہ! مکۂ مکرمہ میں ۱۹/سال سے مقیم ہیں، انھوں نے دنیوی تعلیم میں کیمیکل انجینئرنگ کی بیچلرڈ ڈیگری اور ماسٹر ڈیگری (M.B.A) حاصل کی ہے، اس کے بعد ڈاکٹری کورس (P.H.D) مکمل کیا۔

انھوں نے معہد: ''ام القریٰ'' میں عربی زبان کا کورس کیا، اس کے بعد ''کلیۃ الحرم'' میں عالمیت کا کورس کر رہے ہیں، پھر ''دار الحدیث'' میں صحاحِ ستہ مکمل کی اور یمن کے ایک استاذ کے پاس تفسیر کا علم حاصل کیا۔

نیز مدینہ منورہ کے امام: محسن القاسم سے حدیث شریف کا دورہ لے کر حدیث شریف کی اجازت لی تھی۔

غزوہ بُواط کی جگہ

اتوار کے دن فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد ہم ''ینبوع'' سے روانہ ہوئے، پہلی زیارت ''بواط'' کی تھی۔

''بواط'' جہینہ قبیلے کے دو پہاڑ ہیں، ان کے ساتھ ''رضویٰ'' کا مشہور پہاڑ ہے، ینبوع سے بواط کا فاصلہ تقریباً ۱۰۰ رکلومیٹر ہے اور مدینہ منورہ کا بھی اتنا ہی فاصلہ ہے۔

ہجرت کے دوسرے سال ربیع الاوّل کے مہینے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا گورنر بنا کر مدینہ منورہ سے باہر نکلے تھے۔

اِس مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ۲۰۰ رسوار موجود تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکر کا سفید جھنڈا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کے ایک قافلے کی تلاش میں اِس ''بواط'' تک پہنچے، قریش کے قافلے کا سردار ''امیہ بن خلف'' تھا، اس میں ۱۰۰ رقریشی لوگ اور ۲۵۰۰ راونٹ تھے؛ لیکن بالآخر یہ قافلہ بھی آگے نکل گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک عجیب جنگی حکمتِ عملی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک عجیب جنگی حکمتِ عملی یہ تھی کہ آپ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ آپ کا دشمن مالی اعتبار سے مضبوط نہ ہونے پاوے، جس کی وجہ سے جنگ کی نوبت کم آوے۔ قریش نے کئی مرتبہ یہ کوشش کی کہ با قاعدہ ملکِ شام تجارت کے لیے جاوے اور اس تجارت کے ذریعے بہت زیادہ نفع کماوے، پھر اس کو مسلمان اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے میں استعمال کرے۔

جب حضرت نبیٔ کریم ﷺ کو اِس بات کی اطلاع ہوتی کہ قریش اِس مقصد سے تجارت کرنے جارہے ہیں تو اللہ کے رسول ﷺ ان کو روکنے کی کوشش فرماتے۔

آج کی عالمی سیاست کے پس منظر میں بھی یہ ایک بہت زوردار حکمتِ عملی سمجھی جاتی ہے کہ دشمن کی مالی حالت (economic position) کمزور کردی جاوے؛ تاکہ وہ نہ کسی پر حملہ کرسکے اور نہ جنگ کی نوبت آوے، جس کی وجہ سے امن وامان برقرار رہے۔

غزوۂ ذی العُشَیرہ کی جگہ

اتوار کے دن ہماری دوسری زیارت ''عشَیرہ'' نامی جگہ کی ہوئی۔ یہ عربی میں ''عشرۃ'' کی تصغیر ہے، جس کے معنی ''دس'' ہوتے ہیں۔

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ: یہاں ایک قلعہ بھی ہے؛ مگر فی الحال کوئی قلعہ نظر نہیں آرہا ہے۔

یہ جگہ مدینہ منورہ سے ۱۳۰ اور رابغ سے ۷۵ ارکلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔

اسلام میں سب سے پہلا غزوہ

اسلام میں سب سے پہلا غزوہ یہی ''غزوۂ عشیرہ'' تھا، جس کا پتا ترمذی شریف کی اس روایت سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ: كُنْتُ إِلَى جَنْبِ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ، فَقِيلَ لَهُ: كَمْ غَزَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَزْوَةٍ؟ قَالَ: تِسْعَ عَشْرَةَ، فَقُلْتُ: كَمْ غَزَوْتَ أَنْتَ مَعَهُ؟ قَالَ: سَبْعَ عَشْرَةَ، قُلْتُ: أَيَّتُهُنَّ كَانَ أَوَّلَ؟ قَالَ: ذَاتُ

الْعُشَيْرِ، أَوِ الْعُشَيْرَةِ. (سنن الترمذی،ابواب الجہاد،رقم الحدیث:۱۶۷۶)

ترجمہ: ابواسحاق سبیعی فرماتے ہیں کہ: میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے بغل میں تھا کہ ان سے پوچھا گیا: حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنے غزوات کیے؟ کہا: انیس، میں نے پوچھا: آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کتنے غزوات میں شریک رہے؟ کہا: سترہ میں، میں نے پوچھا: کون سا غزوہ پہلے ہوا تھا؟ کہا: ذات العشیر یاذات العُشیر ہ۔

اِس سے مراد وہ غزوات ہیں جن میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود شریک رہے، خواہ قتال کیا ہو یا نہ کیا ہو، صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوات کی تعداد اکیس (۲۱) ہیں، ایسی صورت میں ممکن ہے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے دو کا تذکرہ جنھیں غزوہٗ ابوا اور غزوہٗ بواط کہا جاتا ہے؛ اس لیے نہ کیا ہو کہ ان کا معاملہ ان دونوں کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے ان سے مخفی رہ گیا ہو۔ (ترمذی)

غزوہٗ عُشَیرہ کا پس منظر

یہاں حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذاتِ خود غزوے کے لیے تشریف لائے تھے؛ اس لیے اِس مقام کی بڑی اہمیت ہے۔

جب مسلمان سلامتی کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے، اب مکہ کے مشرکوں کو یہ بات بھی گوارا نہیں تھی کہ مسلمان مدینہ منورہ میں چین اور سکون سے زندگی گزارے؛ اِس لیے مکہ کے مشرکوں نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ (پلان) بنایا؛ لیکن حملہ کرنے کے لیے مال و دولت اور سامانِ جنگ کی ضرورت پیش آتی ہے، اب سوال یہ تھا کہ یہ سب چیزیں بڑی مقدار میں کیسے جمع کی جاویں؟

چناں چہ انھوں نے طے کیا کہ ایک مشترکہ تجارت کی جاوے، تمام حضرات اس

میں اپنی پونجی لگائیں گے اور اس سے جو نفع حاصل ہوگا اس کو مدینہ منورہ پر حملہ کرنے میں خرچ کیا جاوے گا۔

اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکہ کے مشرکوں کو مسلمانوں کے ساتھ کتنی سخت دشمنی تھی! چناں چہ مکہ مکرمہ کے مال دار، متوسط اور غریب سب نے اس میں اپنا پیسہ لگایا، تقریباً پچاس ہزار کی مالیت کے سامان کا ایک تجارتی قافلہ تیار کیا گیا۔

مکہ مکرمہ کے ایک بہت عقل مند شخص: ابوسفیان بن حرب کو اِس تجارتی قافلے کا امیر مقرر کیا گیا۔

غزوۂ عُشَیرہ

حضرت نبی کریم ﷺ کو جب اِس قافلے کی روانگی کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ کی یہ چاہت تھی کہ اس تجارتی قافلے کو راستے ہی میں روک لیا جاوے؛ تاکہ یہ لوگ نہ نفع کما سکے اور نہ مدینہ منورہ پر حملہ کر سکے۔

دوسری طرف ان کافروں نے جو مسلمان ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آچکے تھے ان کے مال پر اپنا قبضہ جما لیا تھا؛ لہذا اس کے بدلے میں مسلمان ان پر اِس طرح کی کوئی کارروائی کریں، یہ بات ان کے لیے بالکل صحیح اور درست تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روانگی

ہجرت کے دوسرے سال جمادی الاخری کے مہینے میں اللہ کے رسول ﷺ ان کا پیچھا کرنے کے لیے روانہ ہوئے، آپ ﷺ کے ساتھ ۱۵۰ یا ۲۰۰/ مہاجرین تھے، ساتھ میں ۳۰/ اونٹ تھے، آپ ﷺ نے اپنے چچا: حضرت حمزہ ؓ کو ایک سفید

جھنڈا سپرد کیا۔

''بنو مدلج'' کے اِس علاقے میں ''عشیرہ'' تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب یہاں پہنچے تو پتا چلا کہ قریش کا تجارتی قافلہ ملکِ شام کی طرف نکل چکا ہے؛ لہذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

ہاں! لیکن یہی قافلہ جب واپس مکہ مکرمہ لوٹ رہا تھا تو مسلمانوں نے دوبارہ اس کا پیچھا کیا اور اسی کے نتیجے میں دینِ اسلامی کی ایک عظیم تاریخی جنگ: ''جنگِ بدر'' پیش آئی، جس کا تذکرہ قرآنِ مجید میں بھی ہے۔

عشیرہ کی کھجوریں

ہم اس وقت اسی مقامِ عشیرہ میں ہے، یہ علاقہ ینبوع سے نہایت ہی قریب میں ہے، کہا جاتا ہے کہ: اِس علاقے کی کھجوریں بہت زیادہ مشہور ہیں۔

مقامِ عیص اور سریۂ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی جگہ

ابھی ہم لوگ ''مقامِ عیص'' میں موجود ہیں، یہاں ایک بہترین پانی کا چشمہ ہے، جس کو ''ذنبان العیص'' کہا جاتا ہے، یہ عرب کا مشہور قبیلہ ''بنو سلیم'' کا علاقہ ہے۔

۶/ جمادی الاولی سن ہجری ۶/ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ۱۷۰/ سواروں کے ساتھ قریش کا ایک تجارتی قافلہ روکنے کے لیے بھیجا تھا۔

دراصل غزوۂ بدر کے بعد مکّہ کے مشرکوں کو یہ احساس ہوا کہ بدر سے گزرنے والا تجارتی راستہ اب کسی طرح محفوظ نہیں، فتح کے بعد اب اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے؛ لیکن بڑا سوال یہ تھا کہ اگر تجارت نہ کریں تو کھائیں کیا؟

دار الندوہ میں مشورہ

چناں چہ اس بارے میں غور وفکر کرنے کے لیے قریش کے تمام سردار "دار الندوہ" میں جمع ہوئے، مسئلہ یہ تھا کہ ابوسفیان کے ساتھ آیا ہوا تجارت کا سامان اور نفع محفوظ تو ہے؛ لیکن اگر مسلمانوں کے ڈر سے یونہی بیٹھے رہیں تو نفع کیا! اصل سرمایہ بھی ختم ہو جاوے گا!

اسود بن مطلب کا مشورہ

اسود بن مطلب نے مشورہ دیا کہ: اِن حالات میں مدینہ کے راستے سے قافلہ لے جانے کا خیال ہی چھوڑ دو؛ بلکہ نجد کے راستے عراق کی طرف سے جاؤ! یہ راستہ اگر چہ دور پڑتا ہے؛ مگر خطرے سے خالی ہے۔ صفوان بن امیہ نے کہا: مگر ہم تو اس راستے سے واقف نہیں ہیں۔ ابن ابی ربیعہ نے کہا کہ: میں بنوبکر کے ایک آدمی کو جانتا ہوں جو اس راستے سے واقف ہے، اس بات سے تمام لوگ بہت خوش ہوئے اور یہ طے ہوا کہ اس کے بارے میں کسی کو بھی پتا نہ چلے۔

اس قافلے میں مکہ مکرمہ کے ہر آدمی نے اپنا مال جمع کروایا، ان میں صفوان بن امیّہ کی ایک بڑی مقدار میں چاندی موجود تھی، کل ایک لاکھ درہم کا مال تھا اور اس قافلے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے داماد: ابوالعاص بن ربیع بھی شامل تھے۔

قافلہ بچ کر نکل نہ پائے

اتفاق سے مکہ مکرمہ کا رہنے والا ایک شخص جس کا نام "نُعَیم بن مسعود الاشجعی" تھا، کسی کام سے مدینہ آیا اور اپنے یہودی دوست "کِنانہ بن ابی الحُقَیق کے گھر مہمان ہوا،

کھانے پینے کی محفل سجی تھی، ایک مسلمان حضرت سلیط بن نعمان ﷺ بھی اِس محفل میں شریک تھے (ابھی شراب حرام نہیں ہوئی تھی) بدمستی کے عالم میں نعیم نے کہا: مسلمانوں نے ہمارا تجارتی راستہ بند کر دیا تو کیا ہو گیا! ہم نے اِس مرتبہ نجد کے راستے سے ایک بڑا قافلہ بھیج دیا ہے۔

حضرت سلیط ﷺ اس محفل سے اٹھے اور آ کر اللہ کے رسول ﷺ کو بتلا دیا، آپ ﷺ نے فوراً حضرت زید بن حارثہ ﷺ کو ۱۰۰ر آدمیوں کی جماعت کے ساتھ روانہ فرمایا اور یہ تاکید کی کہ: قافلہ بچنے نہ پاوے۔

اب کی بار قافلہ پکڑ میں آ گیا

حضرت زید ﷺ پہلی بار امیر بنائے گئے تھے، وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بہت تیزی سے روانہ ہوئے اور نجد کے ایک پانی کے چشمے "قَرَدَہ" پر انھیں پکڑ لیا، اِس اچانک حملے سے وہ بدحواس ہو کر ادھر ادھر بھاگ گئے؛ چناں چہ حضرت زید ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے ایک لاکھ درہم کی چاندی کا مال اور کچھ قیدی اپنے قبضے میں لے لیے اور صحیح سالم مدینہ منورہ واپس ہوئے۔

حضرت ابو العاص کو ان کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے امان دے دی، حضور ﷺ نے بھی ان کی امان تسلیم کر لی اور ان کو ان کا سارا مال واپس کر دیا گیا۔

اس کے بعد قریش کے تجارتی قافلے کی ناکہ بندی مکمّل طور پر مسلمانوں کے قبضے میں آ گئی اور مکہ والوں کی حالت عجیب ہو گئی، اب ان کے سامنے دو ہی راستے تھے: مسلمانوں سے صلح کر لے یا پورے زور سے بازی لگا کر مسلمانوں سے جنگ کریں؛ لیکن بدقسمتی سے قریش نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ (از: سیرتِ احمدِ مجتبی، ج:۲، ص:۲۸۳)

جامع ابو بصیر رضی اللہ عنہ

اسی مقامِ ''عیص'' میں ایک مسجد واقع ہے، جس کو ''جامع ابو بصیر'' کہا جاتا ہے۔
اِن عربوں کی ایک بہترین خوبی یہ ہے کہ وہ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نام ہی سے اپنی مسجدوں کے نام رکھتے ہیں؛ چوں کہ حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ اسی جگہ مقیم تھے، ان کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خط اسی جگہ پر آیا تھا اور اسی کو پڑھتے پڑھتے ان کا انتقال ہو گیا تھا، اس کے بعد اِس جگہ ان کے نام سے ایک مسجد تعمیر کی گئی تھی۔

حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری

اس کے بعد حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، البتہ ان کی قبر مبارک کی کوئی تعیین نہیں کی گئی ہے، بس! ایک جگہ پورا احاطہ کیا گیا ہے، بتلایا جاتا ہے کہ: اِس پورے احاطے میں ان کی قبر مبارک موجود ہے۔
اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت کا خاص حصہ عنایت فرماوے، آمین۔

صلحِ حدیبیہ کی ایک شرط

صلحِ حدیبیہ کے معاہدے میں جہاں یہ طے ہوا تھا کہ مسلمانوں اور قریش کے درمیان دس سال تک جنگ نہیں ہوگی، وہیں ان شرائط میں سے ایک یہ شرط یہ بھی تھی کہ:
اگر مکہ مکرمہ سے قریش کا کوئی آدمی مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آجائے تو مسلمان اس کو مکہ مکرمہ واپس بھیجنے کے پابند ہوں گے۔
اور نعوذ باللہ! کوئی مسلمان مرتد ہو کر مکہ مکرمہ چلا جاوے تو قریش اس کو واپس کرنے کے پابند نہیں ہوں گے۔

حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کا واقعہ

صلحِ حدیبیہ کے موقع پر ابھی صلح نامہ تیار ہی کیا جا رہا تھا، اسی دوران ایک شخص زخموں سے چور اور زنجیروں میں بندھے ہوئے کسی طرح وہاں پہنچ گئے، یہ سہیل کے صاحب زادے حضرت "ابوجندل" رضی اللہ عنہ تھے، اسلام لانے کی وجہ سے ان کو قید کر دیا گیا تھا اور سخت تکلیفیں پہنچائی جاتی تھی، اس منظر کو دیکھ کر سب حیران تھے۔

ان کے باپ نے انھیں یہاں موجود پایا تو ان کو ایک طمانچہ مارا اور کہنے لگا: اے محمد! تم انھیں پناہ نہیں دے سکتے، میرے اور تمھارے درمیان معاہدہ طے ہو چکا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ابھی تو معاہدہ لکھا بھی نہیں گیا ہے۔

سہیل غصے سے لال ہو گیا، کہنے لگا: یہ پہلا آدمی ہے جس کو معاہدے کے مطابق آپ کو لوٹانا ہوگا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سہیل! میرے خاطر ان کو چھوڑ دو۔

سہیل بن عمرو نے کہا کہ: آپ کے خاطر بھی نہیں۔

حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کی عاجزی

حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ عاجزی سے کہنے لگے: مسلمانو! میں ایمان لے آیا ہوں، کیا مجھے اِن درندوں کے حوالے کر دیا جاوے گا؟ جو مجھے تکلیف دے دے کر مار ڈالیں گے اور مسلمان بے بسی کی نگاہ سے انھیں دیکھ رہے تھے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صبر کرو! اللہ تعالیٰ ضرور ان کے لیے بہتری کی کوئی صورت نکالے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ سوالات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ہر ایک مسلمان پریشان حال ہے، وہ خود بھی اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر عرض کیا:

یارسول اللہ! کیا آپ سچے نبی نہیں ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ کا سچا نبی ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہم حق پر ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو ہم اپنے دین کے معاملے میں اس ذلتی والے شرائط کو کیوں قبول کر رہے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے خطاب کے بیٹے! میں اللہ کا رسول ہوں! میں وہی کام کرتا ہوں جس کا مجھے حکم دیا جاتا ہے، میرا یہ عمل اور فیصلہ بے کار نہیں جاوے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا تھا کہ ہم مکہ مکرمہ جا کر کعبۃ اللہ کا طواف کریں گے؟

فرمایا: بے شک! لیکن میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ اسی سال سب کچھ ہوگا۔

پھر فرمایا: اے عمر! غم نہ کرو! تم ضرور کعبہ کی زیارت اور اس کا طواف کرو گے۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سر جھکائے اٹھے اور سیدھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے، ان سے بھی یہی سوالات کیے؛ مگر عجیب بات یہ کہ انھوں نے بھی وہی جوابات دیے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیے تھے؛ حالاں کہ وہ اس وقت وہاں موجود بھی نہیں تھے۔

یہ ہے حضرت نبیٔ کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان کامل نسبت اور کامل تعلق، غالباً اسی طرح کی نسبت اور تعلق کو آج کل حضراتِ صوفیا کی اصطلاح میں ''نسبتِ اتحاد'' کہا جاتا ہے اور یہ ایک قلبی اور دلی لگاؤ اور سوچ وفکر ایک ہونے کی بہت بڑی علامت اور نشانی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوالات پر جو جواب حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے عطا فرمائے وہی جواب قدرتی طور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذہن میں بھی آئے اور وہی جواب انھوں نے دیے؛ حالاں کہ جس وقت حضور ﷺ یہ جوابات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دے رہے تھے اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں موجود بھی نہیں تھے۔

صادق المصدوق ﷺ کے سچے دوست

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جو مقام ومرتبہ ہے، اس سے ہم سب واقف ہی ہیں، آپ رضی اللہ عنہ سابقین اولین (حضور ﷺ پر اول ایمان لانے والوں) میں سے تھے، آپ نے اسلام اور مسلمانوں کے لیے جانی اور مالی ہر طرح کی قربانیاں دی تھی، آپ ہر قت اسلام اور مسلمانوں کی مدد کے لیے تیار رہتے تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ کو اللہ کے رسول ﷺ سے بے پناہ محبت تھی اور حضور ﷺ بھی آپ سے بہت محبت کیا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ بہت ساری باتوں میں آپ رضی اللہ عنہ کی اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ مشابہت وموافقت دیکھنے کو ملتی تھی، چاہے پھر وہ سچ بولنے میں ہو، لوگوں کی مدد کرنے میں ہو، صلہ رحمی کرنے کے بارے میں ہو یا اہم امور میں مشورہ کے قبیل سے ہو۔

یارِ غار ہرا میں اپنے حبیب ﷺ کے ساتھ

دونوں حضرات میں جو کامل نسبت اور تعلق تھا، جس کی وجہ سے دونوں کی اکثر باتوں

میں موافقت ہوا کرتی تھی، اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اول وحی نازل ہونے کے بعد جو حالات طاری ہوئے تھے، جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوف زدہ ہو گئے تھے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی زوجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بطورِ تسلی جو الفاظ کہے تھے، بعینہ وہی الفاظ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب کفار کی ایذا رسانی سے پریشان ہو کر مکہ مکرمہ چھوڑ کر جا رہے تھے، اس وقت ان سے ابن الدغنہ کافر نے کہے تھے!

اِبنُ الدَّغِنہ کے پرتسلی الفاظ

بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَمْ أَعْقِلْ أَبَوَيَّ قَطُّ إِلَّا وَهُمَا يَدِينَانِ الدِّينَ، وَلَمْ يَمُرَّ عَلَيْنَا يَوْمٌ إِلَّا يَأْتِينَا فِيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ طَرَفَيِ النَّهَارِ بُكْرَةً وَ عَشِيَّةً، فَلَمَّا ابْتُلِيَ الْمُسْلِمُونَ خَرَجَ أَبُو بَكْرٍ مُهَاجِرًا قِبَلَ الْحَبَشَةِ، حَتَّى إِذَا بَلَغَ بَرْكَ الْغِمَادِ لَقِيَهُ ابْنُ الدَّغِنَةِ، وَهُوَ سَيِّدُ الْقَارَةِ، فَقَالَ: أَيْنَ تُرِيدُ يَا أَبَا بَكْرٍ؟ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: أَخْرَجَنِي قَوْمِي، فَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أَسِيحَ فِي الْأَرْضِ، فَأَعْبُدَ رَبِّي. قَالَ ابْنُ الدَّغِنَةِ: إِنَّ مِثْلَكَ لَا يَخْرُجُ وَلَا يُخْرَجُ؛ فَإِنَّكَ تَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ، وَأَنَا لَكَ جَارٌ، فَارْجِعْ فَاعْبُدْ رَبَّكَ بِبِلَادِكَ. (البخاري، رقم الحديث:۲۲۹۷)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ: جب سے میں نے ہوش سنبھالا، اپنے والدین کو دینِ اسلام کا پیروکار پایا، کوئی دن ایسا گزرتا نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح شام ہمارے گھر تشریف نہ لاتے ہو۔ پھر جب مسلمانوں کو بہت زیادہ تکلیف پہنچائی

جانے لگی، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت کر کے حبشہ چلے جانے کا اردہ فرمایا۔

جب آپ مقامِ ''بَرْکُ الْغِمادْ'' پر پہنچے تو وہاں آپ کی ملاقات ''قبیلۂ قارہ'' کے سردار'' ابن الدغنہ'' سے ہوئی، اس نے پوچھا: ابوبکر! کہاں کا اردہ ہے؟ آپ نے جواب دیا: میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے، اب میرا ارادہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر سیر کروں اور اپنے رب کی عبادت کرتا رہوں!

اس کے جواب میں ابن الدغنہ کہنے لگا: آپ جیسا انسان اپنے وطن سے نکل نہیں سکتا اور نہ نکالا جا سکتا ہے؛ کیوں کہ آپ محتاجوں کے لیے کماتے ہیں، صلح رحمی کرتے ہیں، مجبوروں کا بوجھ اپنے سر پر اٹھاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حادثوں میں حق بات کی مدد کرتے ہیں، آپ کو میں امان دیتا ہوں، آپ میرے ساتھ چلیے اور اپنے شہر ہی میں اپنے رب کی عبادت کیجیے۔

معاہدے کی تکمیل

بہر حال! جب دونوں جماعتوں کے درمیان معاہدہ مکمل ہو گیا، گواہوں کی دستخط ہو گئی تو سہیل بن عمرو یہ سوچ کر کے میں نے اپنی تمام شرطیں مسلمانوں کو قبول کروالی خوشی خوشی لوٹ رہا تھا۔

اس طرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ: قربانی کے جانور ذبح کر لو، حلق کروالو اور احرام اتار لو، اب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر اتنا زیادہ غم سوار تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم پر عمل کرنے کے لیے کوئی بھی کھڑا نہیں ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری بار اعلان کیا، پھر تیسری مرتبہ اعلان کیا؛ مگر کوئی اٹھنے کے لیے تیار نہیں تھا، اصل میں ان حضرات کو عمرہ ادا کیے بغیر قربانی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کا مشورہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات سے ناراضگی ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خیمے میں تشریف لے گئے، امّ المؤمنین حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے -جو سفر میں ساتھ تھیں- محسوس کرلیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے مبارک پر رنج کے آثار ہیں، کہنے لگیں: کونسی بات آپ کو ناگوار گزری ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری تفصیل بتلائی۔

اس موقع پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑا حکیمانہ مشورہ دیا، کہنے لگیں: سب کو کعبۃ اللہ کی زیارت کرنے اور عمرہ کرنے کی تمنّا تھی، وہ پوری نہیں ہوئی، اس وجہ سے یہ لوگ غم اور صدمے میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ آپ اِن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو -جو اس وقت غم کی حالت میں ہیں- کوئی حکم نہ دیں؛ بلکہ بہتر یہ ہے کہ پہلے آپ ہی جانور ذبح کر کے حلق کروالیجیے، پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس مشورے پر عمل کیا؛ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیمے سے باہر تشریف لائے اور لوگ (عام مجمع) دیکھ سکے ایسی جگہ جلوہ افروز ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا حلق مبارک شروع کروایا، بس پھر تو کیا تھا عاشق صحابہ رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے ہی فوراً حلق کروانے لگے اور قربانی کی اور اپنے اپنے احرام کھولنے لگے۔

غم اتنا زیادہ تھا کہ بال مونڈتے وقت کھال تک کٹ جاتی تھی۔

مسلمانوں کا یہ عمل بظاہر نافرمانی نظر آتا تھا؛ لیکن بعض مرتبہ حکم کو بجالانے میں سستی کرنا یہ نافرمانی نہیں کہی جاتی۔

اِس سے معلوم ہوا کہ بہت سے موقع پر عورتوں کی طرف سے مفید مشورے سامنے

آتے ہیں اور لوگوں کو بڑا فائدہ ہوتا ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا یہ مفید مشورہ جو اس نازک موقع پر بڑا کام کر گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا

یہ منظر دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! سر منڈانے والوں کی مغفرت فرمایئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ یہ دعا فرمائی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: بال تراشنے والوں کی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوتھی بار فرمایا: ان کی بھی مغفرت فرمایئے!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال مبارک

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بال مبارک ایک کیکر کے درخت کے نیچے رکھ دیے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دوڑ کر انھیں لوٹنے لگے، حضرت امّ عمارہ رضی اللہ عنہا نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے بال محفوظ کر لیے، اس دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۲۰/اونٹ ذبح کیے، جن میں ابوجہل کا اونٹ بھی شامل تھا۔

کھلّم کھلّی جیت

دو ہفتے بعد مسلمان حدیبیہ سے مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے، ان کے دل میں یہ احساس تھا کہ ہم ناکام ہو کر لوٹ رہے ہیں، مقامِ "کراع الغمیم" میں سورۂ فتح کی یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝١ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝٢ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝٣

ترجمہ: (اے نبی!) یقیناً ہم نے تم کو (حدیبیہ کی صلح کے ذریعہ) ایک کھلی ہوئی

(مکہ کی) فتح دے دی ﴿۱﴾ تا کہ تمھاری اگلی اور پچھلی کوتاہیوں کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیویں اور (تا کہ) اپنی نعمت تم پر مکمل کر دیویں؛ اور (تا کہ) تم کو سیدھے راستے پر چلاوے ﴿۲﴾ اور (تا کہ) اللہ تعالیٰ تمھاری زبردست مدد کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: کل رات مجھ پر ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے (یعنی دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے)، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سامنے "سورۂ فتح" تلاوت فرمائی۔

یہ کیسی جیت ہے؟

سب اِس بات سے حیران تھے کہ کعبۃ اللہ کے طواف اور عمرے سے ہمیں روکا گیا، تو پھر یہ کس بات کی جیت ہے؟

جب یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ بڑی غلط بات کہی گئی ہے، حقیقت میں یہ بہت بڑی فتح ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم مشرکین کے گھر تک پہنچ گئے تھے، انھوں نے اگلے سال عمرہ کے لیے آنے کی تمھیں اجازت دے دی، خود لڑائی بند کرنے کا کہا؛ حالاں کہ تمہارے متعلّق ان کے دلوں میں کتنی دشمنی ہے تم جانتے ہو! کیا تم وہ دن بھول گئے جب خندق کے موقع پر دشمنوں نے چاروں طرف سے تمھیں گھیر لیا تھا! غزوۂ احد میں تم بھاگے جا رہے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ میں ان کو تنبیہ فرمائی۔ (از: سیرتِ احمدِ مجتبیٰ، ج:۳، ص:۶۱)

یہ ہے حکیمانہ طرزِ عمل جس کے ذریعے حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے غصوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قابو میں کیا اور ٹھنڈا کیا۔

لیڈر کیسا ہو؟

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ لیڈر وہ ہے جو اپنے ماننے والوں کو اگر چڑھانا جانتا ہو تو اتارنا بھی جانتا ہو، اگر جوش دلانے کے بعد ضرورت پیش آئے تو اس جوش کو ٹھنڈا بھی کر سکے، اصل لیڈر وہ ہے۔

آج کل کے لیڈر جوش چڑھا تو دیتے ہیں؛ لیکن اتارنا ان کے بس سے باہر ہوتا ہے، پھر وہ خود عوام کے پیچھے بھاگتے ہیں کہ اگر ہم یوں کر دیں گے تو عوام ہماری جان کھا جائیں گے، تکہ بوٹی کر دیں گے، ہماری لیڈری تباہ ہو جائے گی۔ (انعام الباری، ج:۷، ص:۴۰۳)

حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کی مکہ سے مدینہ ہجرت

بہر حال! اِس معاہدہ ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ایک قریشی نوجوان: ابو بصیر مسلمان ہو کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ پہنچ گئے، جس کی وجہ سے مکہ والوں نے مسلمانوں سے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا اور ان کو واپس لینے کے لیے دو آدمی مدینہ بھیجے؛ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو آدمیوں کے ساتھ ان کو مکہ مکرمہ واپس بھیج دیا۔

راستے میں حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے موقع پا کر ایک کا کام اسی کی تلوار سے تمام کر دیا اور دوسرا آدمی اپنی جان بچا کر بھاگ نکلا، اس کے بعد حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے واپس مدینہ آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے حالات بیان کر دیے، یہ سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تو تو لڑائی کو بھڑکانے والا ہے!

حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کا مقامِ سیفُ البَحر پر ڈیرہ ڈالنا

اسی دوران دوسرا قریشی آدمی جو حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے بھاگ نکلا تھا

وہ سیدھا مدینہ منورہ پہنچا اور اس نے حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا اس کی پوری تفصیلات حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیان کی، تب حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو محسوس ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری اس کارروائی سے خوش نہیں ہیں اور ہوسکتا ہے کہ کوئی اور سخت کارروائی میرے متعلق کی جائے؛ اس لیے حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے نکل کر واپس مکہ جانے کے بجائے راستے میں ایک جگہ ''سیف البحر'' میں رک گئے، یہ جگہ مکہ مکرمہ سے ملکِ شام جانے والے راستے میں پڑتی تھی۔

لو! شکاری خود اپنی جال میں آ گیا

اب چند دنوں کے بعد ابوجندل رضی اللہ عنہ بھی کافروں کی قید سے چھوٹ کر اِس مقام پر آ گئے، اس کے بعد تو یہ سلسلہ چل پڑا کہ مکہ مکرمہ میں جو شخص بھی مسلمان ہوجاتا وہ مدینہ منورہ جانے کے بجائے حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کی جماعت (ٹیم) میں شامل ہوجاتا تھا۔

آہستہ آہستہ ان کی تعداد ۷۰ رتک پہنچ گئی اور بعض روایتوں کے مطابق تین سو تک پہنچ گئی، اب انھوں نے ملکِ شام جانے والے قریش کے تجارتی قافلے کو روکنا شروع کیا اور قریش کے کچھ افراد ان لوگوں کے ہاتھ قتل بھی ہوئے۔

قریش کی اس واپسی والی شرط ختم کرنے کی سامنے سے پیش کش

جب مکہ کے قریش نے محسوس کیا کہ ہمارا تو جانی اور مالی دونوں اعتبار سے بھاری نقصان ہو رہا ہے اور عجیب بات یہ کہ وہ ان سے نمٹ بھی نہیں سکتے تھے؛ کیوں کہ وہ علاقہ معاہدے کی حد بندی میں نہیں آتا تھا؛ اِس لیے انھوں نے اِس سلسلے میں بات چیت کرنے کے لیے اپنے کچھ افراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجے اور یہ کہلوایا کہ: اگر

ابوبصیر کی جماعت کا یہ کیمپ ختم ہو جائے تو ہم معاہدے کی اِس شرط کو ختم کرنے کے لیے تیار ہیں، آپ انھیں اپنے پاس مدینہ منورہ واپس بلالیجیے۔

حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کا خط پڑھتے پڑھتے انتقال

تاریخی روایات میں ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب کو مدینہ منورہ واپس بلانے کے لیے حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو ایک خط روانہ فرمایا؛ لیکن ابھی وہ خط پڑھ ہی رہے تھے کہ اچانک قلب بند ہو جانے کی وجہ سے ان کا انتقال ہو گیا، وہ اِس حالت میں اِس دنیا سے تشریف لے گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط ان کے ہاتھ میں سینہ مبارک پر تھا۔

لہذا جنازے کی نماز اور تدفین کے بعد حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ اپنے دوسرے تمام ساتھیوں کو لے کر مدینہ منورہ پہنچ گئے اور مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو گئے۔

اِس واقعے سے ملنے والا ایک اہم سبق

اِس واقعے سے ہمیں یہ سیکھنے کو ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے وعدے اور معاہدے میں کتنے سچے اور پکے تھے!

صلحِ حدیبیہ کے وقت آپ نے قریش کی جن شرائط کو منظور کر رکھا تھا، ان سے بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ مسلمانوں نے دب کر صلح کی ہے، اسی وجہ سے ان شرائط پر مسلمانوں کا بے چینی ظاہر کرنا ایک فطری چیز تھی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تو اپنی اِس پریشانی اور بے چینی کا کھلّم کھلاّ اظہار بھی کر دیا تھا؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ اس شرط کو منظور رکھا؛ بلکہ اس موقع پر قریش کی طرف سے بات چیت کرنے آئے ہوئے سہیل بن عمرو کا بیٹا ابوجندل بیڑیوں میں جکڑا ہوا مسلمانوں کے ساتھ مدینہ جانے کے لیے کسی

طرح حدیبیہ آپہنچا تھا، ان کو بھی واپس کردیا۔

اسی طرح جب حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ سے غلطی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے معاہدے کو باقی و برقرار رکھنے کے لیے ان کا ساتھ نہیں دیا؛ بلکہ ان کے خلاف کارروائی کرکے ان کو واپس مکہ مکرمہ بھیجنے کی کوشش کی۔

اِس لیے ہم جب بھی کسی سے کوئی وعدہ یا معاہدہ کریں تو جتنا ہوسکے اس کو پورا کرنے کی کوشش کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِس بات کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

حِجر کے راستے میں
مدائنِ صالح

آج اتوار کا دِن ہے، صبح غزوۂ بواط اور سرایا والے علاقے میں حاضری ہوئی، نیز حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے مزار شریف پر بھی حاضری ہوئی تھی۔

اب آگے حجر کے علاقے کی طرف سفر جاری ہے، اس کے بعد تبوک کا سفر درپیش ہے۔

ہم جس جگہ موجود ہیں، یہ موجودہ مملکتِ سعودیہ عربیہ کا ''العلیٰ'' نامی ایک شہر ہے، اس کے قریب یہ وادی (میدان) ہے، جس میں قومِ ثمود آباد تھی اور جس وادی کا قرآنِ کریم میں بھی بار بار تذکرہ آیا ہے:

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٨٠﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٨١﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿٨٢﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿٨٣﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٤﴾ (الحجر)

ترجمہ: اور پکی بات یہ ہے کہ حجر والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا﴿۸۰﴾اور ہم نے ان (حجر والوں) کو اپنی نشانیاں دیں، پھر بھی وہ اس سے منہ ہی پھراتے رہے ﴿۸۱﴾اور وہ پہاڑوں میں (بغیر کسی خوف وخطرے کے) مکان تراشتے تھے کہ اس میں اطمینان سے رہیں﴿۸۲﴾پس صبح صبح میں ایک چنگھاڑ (یعنی سخت آواز) نے ان (حجر والوں) کو (عذاب میں) پکڑ لیا﴿۸۳﴾سو جو اعمال (یعنی دنیوی ہنر) وہ کیا کرتے تھے کوئی (اس میں سے) ان کے کام نہیں آئے۔ (از: تیسیر القرآن)

اصحاب الحجر سے مراد: اکثر مفسرین کے نزدیک یہی قومِ ثمود ہے۔

جہاں سے حجر کا علاقہ شروع ہوتا ہے، اس جگہ کتنے عجیب وغریب انداز کے پہاڑ ہیں، انھیں پہاڑ اور وادیوں میں مشہور قوم ''قومِ ثمود'' آباد تھی، جن کی طرف اللہ کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا۔

''حجر'' کی تاریخ

اِس وقت ہم ''حجر'' کا علاقے میں ہے، قرآنِ مجید میں اِس نام سے باقاعدہ ایک سورت ہے، یہاں پتھر بہت زیادہ ہیں، پتھروں کو تراشا گیا ہے اور پہاڑوں کو بھی تراشا جاتا تھا، حضرت صالح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اِس علاقے میں نبی بنا کر بھیجا تھا۔

لفظِ ''حجر'' کی تحقیق

''حجر'' کا ایک معنیٰ ''عقل'' کے آتا ہے، جس طرح کسی جگہ احاطہ کرنے سے وہ جگہ دوسری چیزوں سے محفوظ ہو جاتی ہے، اسی طرح عقل بھی انسان کو برے کاموں سے بچاتی اور روکتی ہے، اس لیے عقل کو بھی ''حجر'' کہا جاتا ہے۔

اہلِ لغت کی ایک رائے کے مطابق جس جگہ کا احاطہ کیا گیا ہو، اس کو بھی ''حجر'' کہا جاتا ہے؛ چوں کہ اِس علاقے کو پتھر تراش کر بنایا اور آباد کیا گیا تھا؛ اِس لیے اس کو ''حجر'' کہتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام سے دنیا کی ابتدا

تاریخ کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ: حضرت آدم علیہ السلام کے لمبے زمانے کے گزرنے کے بعد حضرت ادریس علیہ السلام کا زمانہ تھا، ان کے بعد ایک قول کے مطابق حضرت شیث علیہ السلام کا زمانہ ہے، پھر اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا مبارک زمانہ ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں دنیا میں بہت زیادہ بت پرستی پھیل چکی تھی، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے سیلاب کی شکل میں عذاب بھیج کر پوری قوم کو ہلاک کر دیا تھا۔

ایک روایت کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کے ہاتھ پر صرف بہتر (۷۲) افراد ہی ایمان لائے تھے، عذاب نازل ہوتے وقت وہ لوگ آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے تھے، اس کے بعد کشتی ''جودی پہاڑ'' پر اتری تھی، یہ حضرات اس میں سے اترے اور اس کے بعد ازسرِ نو دنیا شروع ہوئی۔

ہم سب حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں

مفسرین کی ایک رائے کے مطابق تھوڑے ہی عرصے میں یہ بہتر (۷۲) آدمی یکے بعد دیگرے انتقال کر گئے، صرف حضرت نوح علیہ السلام کی تین اولاد سے نسل آگے چلی ہے؛ گویا آگے دنیا جو چلی ہے وہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں۔

کچھ زمانہ گزرنے کے بعد پھر سے اِن کی اولاد میں بت پرستی شروع ہوگئی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر ان کی طرف بھیجا، انھوں نے ان کو ایمان کی دعوت دی، جب یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ نے آندھی کی شکل میں ان پر عذاب نازل فرمایا، آٹھ دن اور سات راتیں یہ آندھی چلی تھی، اس طرح اللہ تعالیٰ نے پوری قوم کو ہلاک کر دیا، قرآن میں ہے:

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهۡلِكُوۡا بِرِيۡحٍ صَرۡصَرٍ عَاتِيَةٍ ۙ﴿۶﴾ سَخَّرَهَا عَلَيۡهِمۡ سَبۡعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوۡمًا فَتَرَى الۡقَوۡمَ فِيۡهَا صَرۡعٰى ۙ كَاَنَّهُمۡ اَعۡجَازُ نَخۡلٍ خَاوِيَةٍ ۚ﴿۷﴾ فَهَلۡ تَرٰى لَهُمۡ مِّنۡۢ بَاقِيَةٍ ﴿۸﴾

ترجمہ: اور (قوم) عاد کے لوگ تو ایسی طوفانی بے قابو ہوا سے ہلاک کر دیے گئے، جس کو اس (اللہ تعالیٰ) نے ان پر سات رات اور آٹھ دن تک لگاتار مسلط کر دیا تھا سو تم (اگر وہاں ہوتے تو) دیکھتے کہ وہاں لوگ کھجور کے (گرے ہوئے) کھوکھلے تنوں کی طرح پچھاڑے ہوئے پڑے تھے ﴿۷﴾ اب کیا تم کو ان میں سے کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے؟

پھر ایک لمبا زمانہ گزر جانے کے بعد یہ قوم آباد ہوئی، جن کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا، اِن کو "قومِ ثمود" کہا جاتا ہے۔

ثمود نام کی وجہ

① "ثمد" عربی میں ماءِ قلیل (کم پانی) کو کہا جاتا ہے، اتنا پانی جو سردی کے موسم میں باقی رہے اور گرمی کے موسم میں سوکھ جاوے؛ چوں کہ اِس قوم کے علاقے میں پانی کی کمی تھی اور صرف ایک کنویں کے اردگرد یہ سب آباد تھے؛ اِس لیے ان کو "قومِ ثمود" کہا جاتا ہے۔

② ''ثمد'' کا دوسرا معنی ہے: جو لمبے زمانے تک زندہ اور باقی رہے۔

③ بعض مفسرین کی تحقیق کے مطابق اِن کے دادا کا نام ''ثمود'' تھا، جس سے اِس قوم کا نام ''ثمود'' پڑ گیا۔

قومِ ثمود کے متعلّق کچھ باتیں

یہ شامی قوم کی ایک شاخ ہے جو بعد میں ہلاک کر دی گئی، اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو بہت زیادہ قوت اور زبردست حکومت عطا فرمائی تھی، ملکِ شام سے لے کر حجاز، وادیٔ سینا، عراق اور مصر کے علاقوں میں ان کی حکومت قائم تھی۔

عادِ اولیٰ (حضرتِ ہود علیہ السلام) کی قوم کے بعد اِس قوم نے بہت زیادہ ترقی کی تھی، یہ قوم فنِ تعمیر میں بہت آگے تھی، پہاڑوں کو تراش تراش کر اونچی اونچی عمارتیں تعمیر کرتے تھے اور اس کام میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے۔

جو آدمی بہترین طریقے سے پہاڑ تراش کر تعمیر کر سکتا تھا وہ ان کا بڑا سردار اور بادشاہ سمجھا جاتا تھا، ان کی بنائی ہوئی شاندار تعمیرات آج بھی موجود ہیں۔

یہ قوم بت پرستی اور ستارہ پرستی میں مبتلا تھی، حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو اللہ پر ایمان کی دعوت دی؛ لیکن جب وہ ایمان نہیں لائے اور سرکشی کی تو ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا۔

مقبروں کی تعمیر

یہ قوم جہاں بلند پہاڑوں کو تراش کر اونچی اونچی عمارتیں اور بڑے بڑے مکانات کو تعمیر کرنے میں بہت زیادہ ماہر تھی، اسی طرح مصر کے فراعنہ اور قبطی قوم کی طرح بلند

مقبرے (pyramid) بنانے میں بھی بہت زیادہ دل چسپی رکھتی تھی۔ آج بھی ان کے بنائے ہوئے مقبروں کی یادگاریں موجود ہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام

حضرت صالح علیہ السلام بہت ہی خوب صورت انسان تھے، سرخی مائل سفید چہرہ تھا، لمبی ڈاڑھی تھی اور آپ اپنی قوم کے ایک معزز خاندان کے فرد تھے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دی تو انھوں نے ماننے سے انکار کردیا اور اوپر سے کہنے لگے:

اگر آپ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں تو ہمیں کوئی معجزہ دکھائیں؛ چناں چہ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے پوچھا: میں تمھیں کونسا معجزہ دکھلاوں؟

انھوں نے ایک پہاڑ کی چٹان کی طرف اشارہ کیا کہ آپ اس پہاڑ کی چٹان میں سے ایک دس ماہ کی گھابھن اونٹنی نکالیے اور وہ باہر نکلنے کے بعد فوراً بچّہ جنے۔

اس کے بعد ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔

معجزہ طلب کرنا بڑا خطرناک ہے

حضرت صالح علیہ السلام نے یہ کہتے ہوئے ان کو سمجھانے کی کوشش کی کہ: دیکھو! مانگا ہوا معجزہ دیکھنے کے بعد تم پر ایمان لانا ضروری ہو جاوے گا؛ ورنہ تم پر اللہ کا عذاب آئے گا؛ لیکن وہ لوگ ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔

لہذا حضرت صالح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے اللہ! یہ لوگ جس طرح کا معجزہ طلب کر رہے ہیں وہ ان کو دکھلا دیجیے۔

چٹان سے گھابھن اونٹنی کا باہر نکلنا

ان سب کے سامنے پتھّر کی ایک سخت چٹان پھٹی اور اس میں سے ایک دس ماہ کی گھابھن اونٹنی نکل کر سامنے آئی، باہر آتے ہی اس نے ایک بچّہ جنا۔

اللہ تعالیٰ کی اونٹنی

یہ اونٹنی کوئی عام اونٹنی نہیں تھی، اس کا جسم بہت بڑا تھا، اِس اونٹنی کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی ہے، حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو آگاہ کیا تھا کہ: تم اس اونٹنی کو آزاد چھوڑ دینا، اس کو برے ارادے سے چھونا بھی مت! ورنہ تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے گا؛ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو نقل فرمایا ہے:

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾ (ھود)

ترجمہ: اور اے میری قوم! یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے جو تمھارے لیے نشانی (بن کر آئی) ہے، سو تم اس کو (آزاد) چھوڑ دو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں (چارہ) کھاتی پھرے اور تم برے ارادے سے اس کو ہاتھ بھی مت لگاؤ، ورنہ بہت جلدی عذاب (آکر) تم کو پکڑ لے گا۔

یہ اونٹنی بڑی عجیب تھی!

یہ اونٹنی بھی بڑی عجیب تھی! جہاں بھی جاتی تھی پورے کے پورے کھیت اور گھاس کے میدان صاف کر جاتی تھی، کنویں پر جاتی تو سارا پانی ختم کر دیتی تھی، قوم کے لوگوں کو اس بات سے بڑی ناراضگی ہوئی، وجہ یہ تھی کہ قوم کے بہت سارے لوگوں کے پاس جانور تھے۔

اس کے بعد مشورے سے طے ہوا کہ ایک دن حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی چرنے کے لیے جائے گی اور ایک دن قوم کے جانور جایا کریں گے، ٹھیک اسی طرح پانی کے سلسلے میں بھی باری مقرر کی گئی:

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ (الشعراء)

ترجمہ: صالح (علیہ السلام) نے کہا: یہ اونٹنی ہے اس کے لیے پانی پینے کی ایک باری ہے اور تمھارے (جانوروں کے لیے) پانی پینے کی باری مقرر دن میں ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾ (القمر)

ترجمہ: اور ان لوگوں کو بتلادو کہ پانی ان کے درمیان تقسیم کردیا گیا ہے، ہر (پانی کے) باری والے کو (اپنی باری پر) حاضر ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عجیب شان!

اللہ تعالیٰ کی عجیب شان اور قدرت تھی کہ جس دن حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی پانی پینے کی باری ہوتی تھی، وہ اس کنویں کا سارا پانی ختم کردیتی تھی، اس دن بستی کے لوگ کنویں سے پانی بھر نہیں سکتے تھے؛ لیکن ساتھ ہی اس دن یہ اونٹنی اتنا زیادہ دودھ دیتی تھی کہ پوری قوم کے برتن دودھ سے بھر جایا کرتے تھے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ اس قوم کو ایک دن دودھ اور ایک دن پانی سے سیراب کرتے تھے۔

عورت اور مال ہی سے دنیا میں تباہی مچی ہے

اس قوم میں ایک بہت حسین و جمیل اور مال دار عورت تھی، جس کا نام ”صدوق

بنتِ محیا بن مختار'' تھا، اس کے پاس بھی بہت سارے جانور تھے، اس کو یہ تقسیم بھی گوارا نہیں تھی؛ لہذا اس کے دل میں حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے متعلق حسد پیدا ہوا۔

چناں چہ اس نے ''مصداع'' نامی ایک آدمی سے پیش کش کی کہ: اگر تو صالح کی اونٹنی کو قتل کر دے گا، تو میں تیرے ساتھ شادی کروں گی، نیز میرا تمام مال و دولت تجھے ہدیے میں دے دوں گی۔

اسی طرح ایک بڑھیا جس کا نام ''عنیزہ بنت مجلز'' تھا، حضرت صالح علیہ السلام کی سخت دشمن تھی، اس کی بہت ہی خوب صورت لڑکی تھی، اس نے ''قیدار بن سالف'' کے سامنے آفر رکھی کہ اگر تو حضرت صالح علیہ السلام کی اِس اونٹنی کو قتل کر دے گا، تو تجھے انعام میں بہت زیادہ مال و دولت دیا جائے گا اور میری لڑکی سے تیری شادی کر دی جاوے گی۔

یہی مال اور عورت ہر زمانے میں فتنے کی چیز رہی ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے قتل کی سازش

بہر حال! انعام کی لالچ میں اس قوم کا ایک بد بخت نوجوان، جس کا نام ''قیدار بن سالف'' تھا اور اس کا ایک دوست اِس کام کو انجام دینے کے لیے تیار ہو گئے کہ ہم صالح کی اونٹنی کو قتل کر دیں گے۔

انھوں نے ایک جگہ طے کی کہ جب وہاں سے اونٹنی گزرے گی، ہم اس پر یک بارگی حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیں گے، نیز قوم کے لوگوں نے بھی انھیں مدد کا یقین دلایا؛ ورنہ اتنی بڑی اونٹنی کو قتل کرنا صرف دو آدمی کا کام نہیں تھا!

جب اونٹنی وہاں سے گزرنے لگی تو انھوں نے اس کی دونوں کوچیں (پاؤں) کاٹ دیے، پھر انھوں نے اس اونٹنی کو قتل کیا، اس کا بچہ اپنی ماں کا قتل دیکھ کر پہاڑ کی چٹان میں

چلا گیا اور اس کے بعد کبھی نظر نہیں آیا۔ قرآن میں ہے:

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾ (القمر)

ترجمہ: پھر انھوں نے اپنے ساتھی (یعنی رفیق قیدار) کو پکارا، پھر اس نے (اونٹنی پر) ہاتھ چلایا (یعنی تلوار کا وار کیا) اور (اونٹنی کو) کاٹ ڈالا۔

حضرت صالح علیہ السلام کو جب اس بارے میں پتا چلا تو آپ نے فرمایا کہ: تم نے اس اونٹنی کو قتل کر کے بہت بڑی گستاخی اور بے ادبی کی ہے۔

خلاصہ یہ کہ انھوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور پھر از خود جو معجزہ طلب کیا اس کی بھی انھوں نے نا قدری کی، اس طرح انھوں نے بذاتِ خود عذاب نازل ہونے کے اسباب تیار کیے۔

ثمود کے نَو سردار

اِس قوم کے کل نَو سردار تھے، قرآنِ کریم نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے:

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ (النمل)

ترجمہ: اور شہر میں نو آدمی ایسے تھے جو زمین میں فساد تو مچاتے تھے اور اصلاح کا کام نہیں کرتے تھے۔

اور انھیں لوگوں نے اللہ کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کی سازش بھی کی تھی کہ نعوذ باللہ! ان کے اوپر پتھر گرا کر ان کو قتل کر دیں گے، قرآنِ مجید نے اس کو بھی بیان کیا ہے:

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ (النمل)

ترجمہ: ان نو فسادیوں نے (آپس میں ایک دوسرے سے) کہا کہ: تم سب آپس میں مل جل کر اللہ تعالیٰ کی قسم کھاؤ کہ ہم صالح اور اس کے گھر والوں پر رات کے وقت حملہ کریں گے، پھر (اس کی طرف سے قصاص کا دعویٰ کرنے والے) اس کے وارث سے (یوں) کہہ دیں گے کہ: ہم ان کے گھر والوں کی (اور خود صالح کی) ہلاکت (یعنی مرجانے) کے وقت موجود ہی نہیں تھے، اور یقیناً ہم سچی بات بولتے ہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سب بدبختوں کو عذاب میں مبتلا فرمایا اور اپنے نبی کی حفاظت فرمائی۔

نافرمانوں کو عذابِ الٰہی سے کون بچا سکتا ہے؟

کچھ تاریخی روایات سے پتا چلتا ہے کہ اس قوم کا ''نبطی'' اور ''لحیانی'' قوم سے بھی تعلق تھا، یہ پتھر تراشنے میں بہت ماہر تھے، اِن ہی پہاڑوں میں وہ اپنے گھر بنایا کرتے تھے، یہ علاقہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عجیب نمونہ ہے کہ ہزاروں سال گزر جانے کے بعد بھی اِن کے بنائے ہوئے گھروں کے آثار آج بھی موجود ہیں۔

انھوں نے اپنے گھروں کی تعمیر اس طرح کی تھی کہ ٹھنڈی، گرمی اور بارش؛ ہر موسم میں اطمینان سے رہا جا سکے، ظاہری اسباب سے حفاظت کی تو انھوں نے پورے طور پر تیاری کر لی تھی؛ مگر ان نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کون بچا سکتا تھا؟

عذابِ الٰہی سے بچانے والی دو چیزیں

انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے صرف دو ہی چیزیں: ایمان اور استغفار بچا سکتے ہیں، قرآنِ پاک میں سورۂ انفال میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ (الانفال)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ تمھارے (یعنی محمد ﷺ کے) ان کے درمیان موجود رہتے ہوئے ان پر عذاب بھیج دیویں اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان بھی نہیں ہے کہ وہ لوگ استغفار کرتے ہوں پھر بھی ان پر عذاب بھیج دیویں۔

نیز حضرت نبیٔ کریم ﷺ کا وجودِ بابرکت بھی عذاب سے حفاظت کا ذریعہ ہے، جیسا کی اس آیتِ کریمہ میں مذکور ہے۔

اللہ تعالیٰ کا عذاب کس طرح آیا؟

بہرحال! جب ''قیدار بن سالف'' اور اس کے ساتھیوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کر دیا تو حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: تم لوگ صرف تین دن انتظار کرو! قرآنِ مجید میں ہے:

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَیْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾

ترجمہ: سو انھوں نے اس (اونٹنی) کے پاؤں کاٹ ڈالے تو صالح (علیہ السلام) نے کہا کہ: تم تین دن اپنے گھروں میں مزے اڑا لو، یہ ایسا وعدہ ہے جو جھوٹا ہونے والا نہیں ہے۔ (سورۂ ہود: ۶۵)

چناں چہ تین دن ختم ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریلِ امین علیہ السلام کو بھیجا، انھوں نے اس بستی کے ایک کنارے کھڑے ہو کر اتنی زور سے چیخ ماری کہ ان سب کے کلیجے پھٹ گئے اور وہ سب اوندھے منہ اپنے گھروں میں گر پڑے، قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿٦٦﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٦٧﴾ (الھود)

ترجمہ: سو جب ہمارا (عذاب کا) حکم آپہنچا تو ہم نے صالح (علیہ السلام) کو اور ان کے ساتھ ایمان والوں کو اپنی (خاص) رحمت کے ذریعہ بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے (حفاظت میں رکھا) یقیناً تمھارے رب وہ تو بہت طاقت والے ہیں، بڑے زبر دست ہیں ﴿۶۶﴾ اور ظالموں کو ایک بھیانک آواز نے پکڑ لیا، سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہ گئے۔

دو قسم کے عذاب

قرآنِ مجید کے جن مقامات میں اس قوم پر عذاب نازل ہونے کا تذکرہ آیا ہے، ان میں بعض جگہ عذاب نازل ہونے کی الگ الگ کیفیت کو بیان کیا گیا ہے، ایک جگہ ''اَلرَّجْفَة'' کا لفظ ہے، جس کا معنیٰ ''زلزلہ'' کے آتے ہیں:

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٧٨﴾ (الاعراف:۷۸)

ترجمہ: سو ان (قومِ ثمود) کو زلزلے نے پکڑ لیا تو وہ صبح کے وقت اپنے گھر میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

اور دوسری جگہ ''اَلرَّجْفَةُ'' کا لفظ ہے، جس کا معنیٰ ''بجلی کی کڑک'' کے آتے ہیں:

وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٦٧﴾ (الھود)

ترجمہ: اور ظالموں کو ایک بھیانک آواز نے پکڑ لیا، سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہ گئے۔

دونوں آیتوں کے درمیان تطبیق

سورۂ اعراف والی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو زلزلے کے ذریعے ہلاک کیا گیا اور سورۂ ہود کی آیت سے پتا چلتا ہے کہ ان کو سخت آواز کے ذریعے ہلاک کیا گیا۔

امامِ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی تضاد کی بات نہیں ہے، ہوسکتا ہے پہلے زلزلہ آیا ہو، پھر سخت آواز سے سب کو ہلاک کر دیا گیا ہو! (از: معارف القرآن، سورۂ ہود: ۶۷)

قرآنِ مجید کے اس طرح کے اندازِ بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم پر ایک ساتھ دو قسم کے عذاب نازل ہوئے تھے۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ: قدیم زمانے سے لے کر آج تک اس علاقے میں آتش فشاں مادے بہت زیادہ مقدار میں پائے جاتے ہیں۔

ہمارے لیے عبرت کا سامان

یہ بہت ہی مضبوط اور طاقتور قوم تھی، اپنے ہاتھوں سے پہاڑوں کو تراش کر گھر تعمیر کیا کرتے تھے، ان کے پاس کیسی ٹیکنالاجی ہوگی؟ کیسا فن ہوگا کہ وہ لوگ اس زمانے میں بھی اس طرح کے عالی شان گھر تعمیر کیا کرتے تھے۔

لیکن جب انھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تباہ و برباد کر دیا۔

اِس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے دین و ایمان پر قائم و دائم رہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کریں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی والے کام انجام دینے کی کوشش کرتے رہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے، آمین!

آج بھی یہ علاقہ پورے عالم کے لوگوں کے لیے عبرت کا سامان ہے اور قیامت تک ان شاء اللہ! بنا رہے گا، ساتھ ہی یہ اللہ تعالیٰ کے معجزے (قرآنِ مجید) کی صداقت کی ایک بہت بڑی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں جن قوموں کا تذکرہ فرمایا ہے، وہ بالکل برحق اور سچ ہے، اس میں ذرا برابر شک کی گنجائش نہیں ہے۔

عذاب والی بستی میں کبھی کسی نیک آدمی کا دل نہیں لگ سکتا

آج بھی اِن مقامات میں ڈر اور خوف کا ماحول ہے، عذابِ الٰہی جہاں نازل ہوا ہو، وہاں کسی نیک آدمی کا دل نہیں لگ سکتا، اِس مقام میں واقعتاً رونا آجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس قدر اِس قوم کو قوت اور طاقت عطا فرمائی تھی!

انھوں نے اِن پہاڑوں کو کس شان کے ساتھ تراشا ہوگا! لیکن جب انھوں نے اللہ تعالیٰ کے نبی کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں ختم کر دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ عذاب والے علاقے میں ہمیں داخل نہیں ہونا چاہیے، نیز حضور ﷺ نے بھی حدیث شریف میں منع فرمایا ہے، اگر کوئی آدمی اِس جگہ سے گزرے تو اس کو استغفار کرتے ہوئے یہاں سے گزر جانا چاہیے۔

آج اس عبرت کی جگہ کو تفریح گاہ بنایا جا رہا ہے!

اِس علاقے پر جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو اِس کو کھنڈر (ویران) بنا دیا گیا، تعجب کی بات یہ ہے کہ ہزاروں سال گزرنے کے بعد بھی اب تک یہ علاقے پھر سے آباد نہیں ہو سکے، موجودہ وقت میں زیادہ تر یہود اور عیسائی یہاں تفریح کے لیے آتے ہیں، کچھ مسلمان بھی آتے ہیں۔

موجودہ وقت میں سیاحتی (tourism) اعتبار سے ترقی دی جا رہی ہے، اِس علاقے کو بہترین اور قدیم انداز میں بنایا (repair) گیا ہے، اس میں کھانے کے ہوٹل (restourant)، بیٹھنے کی جگہیں بنائی گئی ہیں، نیز آج کے دور کے لحاظ سے سیّاحوں (tourist) کے لیے بہت ہی خوب صورت اور نرالے انداز میں چیزیں تیار کی گئی ہیں، ساتھ ہی قسم قسم کے مشروبات (drinks)، بہترین پانی اور خشک میوے (Dry fruit) سب کچھ وہاں موجود ہیں۔

لیکن اس جگہ جانے سے دل گوارا نہیں کرتا ہے، دل میں ایک گھبراہٹ اور بے چینی سی کیفیت طاری رہتی ہے۔

اس علاقے سے گزرتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل

ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری غزوہ: غزوۂ تبوک تھا، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی اس مقام سے گزر ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور پر نہایت ہی ناگواری کے اثرات تھے، بے چینی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بہت جلد اس علاقے سے گزر رہے تھے۔

بخاری شریف ''کتاب الانبیا'' میں ایک روایت ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قومِ ثمود کے علاقے سے گزرے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے وہاں کے ایک کنویں کا پانی نکال کر آٹا گوندھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس بات کا پتا چلا تو آپ نے اس پانی کو پھینکنے اور آٹا اونٹوں کو کھلا دینے کا حکم دیا۔ یہ پانی اس کنویں سے لایا گیا تھا جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔

اسی طرح امامِ احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ

روایت بھی نقل کی ہے کہ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ تبوک کے موقع پر اس علاقے سے گزرے؛ چوں کہ سخت گرمی کا موسم تھا؛ اس لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پینے اور پکانے کے واسطے یہاں کے کنویں سے پانی نکالا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس بارے میں پتا چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: پانی بہادو، آٹا اونٹوں کو کھلا دو اور ہانڈیاں الٹ دو، نیز اس جگہ سے جلدی سے نکل جاؤ۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی جگہ جانے سے منع فرمایا

حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس قوم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا ہو، ایسے علاقے میں داخل نہیں ہونا چاہیے، پھر پیارے آقا نے بطورِ شفقت اس کی وجہ بھی بیان فرمادی:

اَنْ یُّصِیْبَکُمْ مِثْلُ مَا اَصَابَھُمْ.

ترجمہ: کہیں تمھارے اوپر وہ آفت نہ آجاوے جو آفت اس قوم پر آئی تھی۔

اسی طرح امامِ بخاریؒ نے ''کتاب المغازی'' میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل فرمائی ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم ایسی قوم کے علاقے میں مت داخل ہو، جنھوں نے ایمان نہ لاکر اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، کہیں تمھارے اوپر وہ آفت نہ آجاوے جو اس قوم پر آئی تھی، اگر کسی مجبوری (سفر) میں گزرنا پڑے تو روتے ہوئے اس جگہ سے گزرجاؤ۔

بخاری شریف کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک جاتے وقت جب اس علاقے میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چہرے مبارک پر کپڑا ڈال دیا اور اس علاقے سے جلدی سے گزر گئے، البتہ جس کنویں سے حضرت صالح علیہ السلام کی

اونٹنی پانی پیا کرتی تھی، اس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ قیام فرمایا تھا، نیز وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز بھی ادا فرمائی تھی۔

ان علاقوں سے روتے ہوئے گزر جانا چاہیے

اللہ تعالیٰ کا بے پناہ شکر ہے کہ اِس علاقے سے گزرتے ہوئے ہمارا حال اور کیفیت بھی رونے جیسی ہے، آنکھوں سے آنسو نکل رہے ہیں، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اپنے عذاب سے ہماری حفاظت فرماوے، آمین۔

لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ جن قوموں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تھا، جن علاقوں کو قرآنِ مجید میں بطورِ عبرت ذکر کیا گیا ہے، آج ان علاقوں کو تفریح گاہ بنایا جارہا ہے، یہاں لوگ تفریح کی نیت سے آیا کرتے ہیں۔

بندے کا جب قومِ لوط والے علاقوں میں سفر ہوا تھا، وہاں کی کارگزاری آپ حضرات نے سن لی ہے اور ہماری کتاب میں آپ نے پڑھ بھی لی ہے، وہاں بھی شاندار ہوٹلیں (Hotels)، واٹر پارک (Water park) اور تفریح کی تمام چیزیں تیار ہو چکی ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سمجھ عطا فرماوے اور اِن معذَّب علاقوں میں تفریح کے واسطے جانے سے ہماری حفاظت فرماوے، آمین۔

بلکہ ایسے علاقوں میں جا کر ہمیں یہ تصور کرنا چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی سے بچیں، اللہ تعالیٰ کی رضامندی والے اعمال کریں، نبیوں کی تعلیمات پر عمل کریں۔

خاص طور پر ہمارے پیارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و سنت کو اپناویں اور اپنے آپ کو گناہوں سے بچاویں۔

ایک اہم مشورہ

ہر مسلمان سے میرا یہ مشورہ ہے کہ یہاں ''حجر'' آ کر باقاعدہ ٹکٹ خرید کر سیاحت (گھومنے) کے لیے اِس علاقے میں نہ جاویں؛ ہاں! تبوک اِسلامی تاریخ کی وہ عظیم جگہ ہے جہاں ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا آخری غزوہ پیش آیا تھا، اس علاقے سے آگے اللہ کے ایک نبی حضرت شعیب علیہ السلام کا علاقہ ہے، اب اگر ان علاقوں میں آتے جاتے، اسی طرح چوں کہ ہمارے ملکوں کے بہت سارے لوگ یہاں ملازمت کرتے ہیں ان سے ملنے یا دین کی تبلیغ واشاعت کے لیے آئے ہوں اور راستے سے گزرتے ہوئے اِن علاقوں پر نظر پڑ جائے تو عبرت کی نظر سے دیکھتے ہوئے گزر جائیں۔

وادیٔ مُشقّق

حضرت نبیٔ کریم ﷺ کے سفرِ تبوک میں کہ ''وادیِ مشقّق'' کا بھی تذکرہ ملتا ہے، اس کا دوسرا نام ''وادیٔ اخضر'' ہے، سفر کے دوران حضور ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس جگہ قیام فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھیے! شام کے وقت جب ''حجر'' سے ''تبوک'' کے لیے روانہ ہوئے تو راستے میں ایک جگہ چوک ہوگئی؛ لیکن بعض مرتبہ چوک بھی صحیح ہوا کرتی ہیں؛ کیوں کہ پھر ہم اسی وادیٔ مشقق کے پاس سے واپس لوٹے جہاں اللہ کے رسول ﷺ نے قیام فرمایا تھا۔

پھر ہم ''البریکہ'' ہوتے ہوئے تبوک کی طرف آگے بڑھے۔

تبوک شہر میں

اتوار کے روز مغرب کے بعد ہم حجر (مدائنِ صالح) سے گزر کر دیر رات ''تبوک'' پہنچ گئے، راستے کے متعلق ہمیں بتایا گیا تھا کہ بہت ہی تنگ راستے ہیں، راستے میں اونٹ بھی بہت زیادہ آجاتے ہیں، پورا علاقہ جنگلی ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال رہی اور ہم عافیت کے ساتھ ''تبوک'' پہنچ گئے۔

تبوک مدینہ سے دمشق کے راستے میں تقریباً بیچ میں واقع ہے، مدینہ سے ۱۴ر منزل کا سفر ہے، تقریباً ۷۸۰ رکلومیٹر کا راستہ ہے۔

''مسجد الرسول'' کی زیارت

یہاں تبوک میں مکہ مکرمہ کی بنسبت فضا تھوڑی ٹھنڈی ہے، ہلکی ہلکی سردی کا آغاز ہو چکا ہے، عرفان بھائی نے ہماری گاڑی اس جگہ رکوائی جہاں غزوۂ تبوک کے موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا تھا، یہاں ایک مسجد بھی بنی ہوئی ہے، جس کو ''مسجد الرسول'' اور ''مسجد التوبہ'' کہتے ہیں۔

البتہ رات میں دیر ہو جانے کی وجہ سے مسجد کے دروازے بند تھے؛ لیکن مسجد کے باہر ایک صحابی کی قبر کی زیارت کی۔

یہاں حکومتِ سعودیہ کا نظام یہ ہے کہ صرف نماز کے اوقات ہی میں مسجدوں کو کھلا رکھا جاتا ہے، اس کے بعد بند کر دیا جاتا ہے، جب کہ ہمارے ممالک میں بہترین نظام ہے کہ ہر وقت مسجدیں کھلی رہتی ہیں، جس کی وجہ سے نماز پڑھنے آنے والوں اور دوسری ضروریات سے فارغ ہونے والوں کے لیے بڑی سہولتیں ہوا کرتی ہیں۔

لیکن یہاں کی مسجدوں کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہاں کی ہر مسجد کے جماعت خانے میں فریز ہوا کرتا ہے، جس میں آنے والوں کے لیے کھانے کی چیزیں موجود ہوتی ہیں، نیز دروس سننے والوں کے لیے بیٹھنے کا بہترین انتظام ہوتا ہے۔

تبوک میں رات کا قیام

یہاں ہم نے رات کے قیام کے لیے ایک ''مفروشہ'' لیا تھا، یہاں کی اصطلاح میں ''مفروشہ'' اس عمارت کو کہا جاتا ہے جس میں دو- تین کمرے ہوتے ہیں؛ گویا ہم اس کو ''فلیٹ'' سے تعبیر کر سکتے ہیں، رات ہم نے اسی میں قیام کیا۔

''مسجد الرسول'' میں فجر کی نماز پڑھنے کی سعادت

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ صبح ہمیں ''مسجد الرسول'' میں باجماعت فجر کی نماز ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، امام صاحب نے فجر کی نماز میں مختصر؛ لیکن بہت جاندار تلاوت فرمائی۔

اس مسجد میں کیا انوار اور برکات تھے! زبان اس کو بیان نہیں کر سکتی، نماز کے بعد منبر شریف کے پاس بیٹھنے کا موقع ملا، یہ وہ جگہ ہے جہاں پیارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیمہ لگا ہوا تھا۔

ایک روایت کے مطابق پیارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیس روز اِس جگہ قیام فرمایا تھا، واللہ! جہاں ہمارے آقا کا خیمہ لگا تھا، اس جگہ عجیب نورانیت کا عالم تھا، دل اور آنکھوں میں آنسو تھے۔

اشراق کے بعد اس مسجد کے خادم صاحب کو اپنے بچوں کو مدرسہ چھوڑنے جانا تھا؛

اس لیے انھوں نے ہم سے معذرت چاہی اور کہا کہ: آپ چاہیں تو ظہر کے وقت تشریف لے آنا، اِس وقت مجھے مسجد بند کرنا ہے۔

چناں چہ بادلِ ناخواستہ ہم اس مسجد سے باہر نکل گئے۔

ایک روایت کے مطابق غزوۂ تبوک میں آپ ﷺ کے ساتھ تیس ہزار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تھے، ظاہر بات ہے کہ اتنا بڑا مجمع اس جگہ دور دور تک خیمے لگا کر مقیم رہا ہوگا؛ لہٰذا یہ پورا علاقہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مقدّس قدموں کی وجہ سے آج بھی منور ہے، اس کا ذرہ ذرہ روشن اور تابناک ہے!

تبوک میں صبح کا ناشتہ

ہمیں شدید بھوک لگی تھی، قریب ایک ہوٹل میں ہمارے ممالک کے طرز کا ناشتہ مل گیا اور ہم سب ساتھی ناشتے کی جگہ پہنچ گئے، واقعی شاہی انداز کا ناشتہ تھا، اس وقت دل میں ایک خیال آیا تھا؛ لیکن بندہ اس کو ظاہر کرنے سے اس لیے رک گیا کہ پھر ساتھی لوگ دل کھول کر ناشتہ نہیں کر سکیں گے۔

وہ خیال یہ تھا کہ: یہ وہی جگہ ہے جہاں جنابِ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے قیام فرمایا تھا، اُس وقت اُن اللہ کے نیک بندوں کی کیا حالت اور کیفیت تھی وہ ہمارے سامنے ہے، خود اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اس کو تنگی والے غزوے سے یاد فرمایا ہے:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۱۷ (التوبة)

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ نے مہربانی کی نبی پر اور مہاجرین پر اور انصار پر جنھوں نے

ایسی مشکل کی گھڑی میں نبی کا ساتھ دیا جب کہ ان میں سے ایک فریق کا دل ڈگمگانے کے قریب ہو گیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی مہربانی سے سنبھال لیا، یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ) ان (ایمان والوں) کے ساتھ بہت زیادہ شفقت کرنے والے ہیں، بہت زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ: غزوۂ تبوک میں صحابۂ کرامؓ کو پانی کی اتنی زیادہ تنگی محسوس ہوئی اور پیاس اس شدّت سے لگی کہ اونٹوں کی اوجھ کو نچوڑ کر اس میں سے نکلنے والا پانی پینے کا موقع بھی آیا، جب کھجوریں ختم ہو گئیں تو ان کی گھٹلیاں چوس چوس کر وقت گزارا کرتے تھے۔

اور آج ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اِس مبارک جگہ پر بیٹھ کر بہترین ناشتہ تناول کر رہے ہیں!!

خیر! اگر اس چیز کو ہم اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھ کر اور اس نیت سے کھائیں گے کہ اس کے نتیجے میں ہم کو جو قوت اور طاقت حاصل ہوگی اس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت، اطاعت اور فرماں برداری میں خرچ کریں گے تو ان شاء اللہ! اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس کھانے پر بھی ہمیں اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔

غزوہ تبوک کے متعلّق کچھ تمہیدی باتیں

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں غزوۂ تبوک کے متعلق یہ آیتیں نازل فرمائیں:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۙ﴿۱۱۷﴾ (التوبة)

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ نے مہربانی کی نبی پر اور مہاجرین پر اور انصار پر جنھوں نے ایسی مشکل کی گھڑی میں نبی کا ساتھ دیا جب کہ ان میں سے ایک فریق کا دل ڈگمگانے کے قریب ہو گیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی مہربانی سے سنبھال لیا، یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ) ان (ایمان والوں) کے ساتھ بہت زیادہ شفقت کرنے والے ہیں، بہت زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔

اس غزوہ کے الگ الگ نام

اس لڑائی کے اور بھی نام ہیں، اِس کو "غزوۂ فاضحہ" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے؛ کیوں کہ اس غزوے میں منافقوں کی پول کھل گئی تھی اور ان کا اصلی چہرہ سب کے سامنے آ گیا تھا۔

اِس غزوے کو "غزوۂ عسرہ" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، چونکہ اس غزوے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت زیادہ مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

غزوۂ تبوک کی وجوہات

دراصل عرب کے جو مشرکین تھے وہ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آخری درجے کی دشمنی رکھتے تھے، جس کی بنیاد پر ہجرت ہوئی اور اس کے بعد کئی غزوات ہوئے، پھر یہ دشمنی آگے بڑھتے بڑھتے رومیوں اور عیسائی لوگوں تک پہنچ گئی:

① تاجروں کا ایک قافلہ جو ملکِ شام سے آ رہا تھا، انھوں نے آ کر بتلایا کہ روم کا بادشاہ "ہرقل" مدینہ منورہ پر حملے کے ارادے سے ایک بڑا لشکر جمع کر رہا ہے، اس کے ساتھ "لخم"، "غسّان"، "جذام" اور "عاملہ" کے عیسائی قبیلے بھی مل گئے ہیں اور لشکر کا

اگلا حصہ ”مقامِ بلقا“ تک پہنچ گیا ہے۔

② یہ بھی کہا گیا ہے کہ: عرب کے عیسائیوں نے ہرقل کو خط لکھا کہ عرب میں نبوت کا دعویٰ کرنے والا جو شخص ہے اس کا انتقال ہو چکا ہے، اس کے ماننے والے قحط سالی اور غریبی سے پریشان ہیں؛ لہٰذا اِس وقت اُن کے ملک پر قبضہ آسان ہے، اس پر عمل کرتے ہوئے ہرقل نے ۴۰ ہزار کا لشکر مدینہ کی طرف روانہ کردیا اور لشکر والوں کو آگے سے ایک سال کی تنخواہ بھی چکادی۔

③ تیسری وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ یہودیوں نے یہ کہا: اگر محمد سچے نبی ہیں تو ان کو ملکِ شام کی طرف ضرور سفر کرنا چاہیے جو کہ انبیا کی سرزمین ہے اور اسی جگہ محشر قائم ہوگا۔

④ چوتھی وجہ یہ کہ ”موتہ“ کی لڑائی میں مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت نے رومیوں کے ایک بڑے لشکر کو پیچھے ہٹا دیا تھا، رومی اپنی اس ذلت کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔

⑤ اس کے علاوہ مکہ مکرمہ اور طائف فتح ہونے کے بعد عالمی سپر پاور حکمران جس کا لقب ”قیصر“ تھا وہ پریشان تھا کہ مسلمانوں کی یہ بڑھتی ہوئی طاقت ہمیں مشکلی میں ڈال سکتی ہے، نیز ”ابو عامر فاسق“ غزوۂ احزاب کے بعد قیصر کے پاس گیا تھا، وہ بھی قیصر کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے برابر اُکسا رہا تھا۔

مدینہ والوں کا حال

ادھر اس طرح کی خبریں برابر مدینہ منورہ پہنچ رہی تھیں اور اچانک حملے کے امکانات برابر بڑھتے جا رہے تھے، ان کے حملے کا ڈر اور خوف ہر وقت لگا رہتا تھا، اس کی تصدیق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس سوال سے بھی ہوتی ہے جو ایلاء والے واقعے پر انھوں نے کیا تھا۔

حضرت عمرؓ کا سوال

دراصل حضرت عمرؓ مسجدِ نبوی سے کچھ دور ''عوالی'' میں رہتے تھے، ساتھ ہی کاروبار کا بھی مشغلہ تھا؛ اس لیے اپنے مواخاتی بھائی حضرت عتبان بن مالکؓ سے یہ طے کیا تھا کہ ایک دن وہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں رہیں گے اور دوسرے دن حضرت عتبانؓ جائیں گے؛ تاکہ حضور ﷺ کے ارشادات سے برابر باخبر رہا جاسکے۔

حضور ﷺ نے جب ایک مہینے کے لیے اپنی بیویوں سے ایلاء کیا تو حضرت عتبانؓ دوڑے دوڑے حضرت عمرؓ کے پاس جا کر کہنے لگے: غضب ہوگیا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: خیر تو ہے؟ کیا غسانی آگئے؟ انھوں نے کہا: نہیں! بلکہ اس سے بھی بڑا حادثہ ہوگیا، رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔

اس سے صاف طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے رومیوں کے حملے کا پورے مدینے میں چرچا تھا۔

دشمنوں کے متعلق آپ ﷺ کی تدبیر

چوں کہ اللہ کے رسول ﷺ کا جاسوسی کا نظام بہت مضبوط تھا: اس لیے آپ ﷺ کو بہت جلد اس بات کی اطلاع مل گئی، اب آپ ﷺ کے سامنے دو باتیں تھیں: ایک تو یہ کہ آپ مدینہ ہی میں رہ کر دشمنوں کا دفاع کریں اور دوسرا یہ تھا کہ آپ ﷺ خود صحابۂ کرامؓ کے ساتھ وہاں تشریف لے جائیں اور ان لوگوں سے جنگ ہو۔

ان حالات میں اللہ کے رسول ﷺ نے ضروری سمجھا کہ رومیوں کو نہ تو حملے میں پہل کرنے کا موقع دیا جائے اور نہ ہی ان کو عرب کی سرحد میں داخل ہونے دیا جاوے،

نیز مقابلہ ایک ایسی سلطنت سے تھا جن کی طاقت کو پوری دنیا تسلیم کرتی تھی، ایسی طاقت سے مقابلہ کرنے کے لیے ایک زبردست تیاری کی ضرورت تھی۔

جنگ کی تیاری

مسلمانوں کے لیے یہ بڑا نازک وقت تھا؛ کیوں کہ روم کے بادشاہ ہرقل کی طاقتور فوج کے ساتھ مقابلہ تھا، امامِ واقدی نے ''مغازی'' میں لکھا ہے کہ: اِس سلسلے میں جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے بڑے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے بہادر کی رائے یہ تھی کہ اس غزوے میں ہماری طرف سے پہل نہ کی جاوے۔

اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیغمبری ارادے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ قدم اٹھایا، فتحِ مکّہ کے بعد اگرچہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تھا؛ لیکن سامنے قیصر کی فوج بھی بہت بڑی تھی، اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر قبیلے میں لشکر جمع کرنے کے لیے آدمی روانہ فرمائے۔

چندے کی اپیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کو قتال میں شرکت اور تیاری میں حصہ لینے کے لیے بار بار شوق دلا رہے تھے، امامِ واقدی کا بیان ہے کہ: لوگوں کو صدقات کا مال جمع کرنے کے لیے کہا گیا؛ تاکہ اس کے ذریعے غریبوں کے لیے سفر کا سامان تیار کیا جا سکے اور مال دار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دل کھول کر مدد کرنے کے لیے اپیل کی گئی۔ ارشاد ہوا:

دنیوی زندگی کا سرمایہ آخرت کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے۔ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالَ الَّذِیۡۤ اٰمَنَ یٰقَوۡمِ اتَّبِعُوۡنِ اَهۡدِکُمۡ سَبِیۡلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ یٰقَوۡمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَا مَتَاعٌ ۫ وَّ اِنَّ الۡاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الۡقَرَارِ ﴿۳۹﴾ (الغافر)

ترجمہ: اور جو شخص ایمان لے آیا تھا اس نے کہا: اے میری قوم! تم میری بات مان لو، میں تم کو نیکی کے راستے پر لے جاؤں گا (۳۸) اے میری قوم! یقیناً یہ دنیا کی زندگی تو تھوڑا سا مزہ اڑا لینا ہے اور یقیناً آخرت وہ جم کر (یعنی ہمیشہ) رہنے کا گھر ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا چندہ دینا

ان دنوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجارت زوروں پر تھی، آپ کے پاس کافی مال و دولت جمع تھا، اپیل سن کر اپنے گھر گئے، دل میں سوچا کہ آج ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آگے نکل جانے کا موقع ہے؛ لہٰذا وہ اپنے گھر کا آدھا سامان لے کر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: عمر! گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اسی قدر (یعنی آدھا)۔

ابوبکر سے آگے کوئی نہیں نکل سکتا!

اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا سارا کا سارا سامان لے کر آئے اور لا کر مسجدِ نبوی میں ڈھیر کر دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: گھر والوں کے لیے کچھ چھوڑا ہے؟

جواب دیا: اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تمھارے اور ابوبکر کے مرتبے

میں یہی فرق ہے۔

حضرت عمرؓ بے اختیار بول پڑے: ابو بکر سے آگے کوئی نہیں نکل سکتا۔

حضرت عثمانِ غنیؓ کی سخاوت

اس زمانے میں حضرت عثمان غنیؓ اپنا ایک تجارتی قافلہ ملکِ شام کی طرف روانہ کرنے کی تیاری فرمارہے تھے، جب انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپیل سنی تو حاضر ہو کر فرمانے لگے: یارسول اللہ! یہ دوسو اونٹ اور یہ دوسو اوقیہ چاندی حاضر ہے، ان سے لشکر تیار کیجیے۔

اس غزوے کی اہمیت اور قیصرِ روم کی طاقت سے مقابلے کے لیے ایک مضبوط لشکر تیار کرنے کے خاطر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار چندے کی اپیل کر رہے تھے، واپس حضرت عثمانؓ غنی دوسرے سو اونٹ مع سامان لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے اترے اور دو مرتبہ فرمایا: آج کے بعد عثمان کو ان کا کوئی عمل (آخرت میں) نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

اس کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپیل برابر جاری تھی۔

حضرت عبدالرحمن بن سمرہؓ کی روایت ہے کہ: حضرت عثمانؓ اپنی آستینوں میں ایک ہزار دینار بھر کر آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے ڈھیر کر دیا، خوشی سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک کھل اٹھا اور آپ فرمانے لگے:

اے عثمان! اللہ تمھاری مغفرت فرماوے! تم نے ہمیں کتنا خوش کیا اور کس قدر غنی کر دیا!

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامان کی تفصیل

مختلف روایات کو جمع کرنے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامان کی تفصیل یہ ہے:

① دوسو اوقیہ چاندی اور دوسو اونٹ۔

② ستّر ہزار درہم۔

③ ایک ہزار اونٹ، ستّر گھوڑے، ایک ہزار دینار نقد۔

④ سات سو اوقیہ سونا۔

تقریباً ایک تہائی لشکر کا سارا خرچ انھوں نے اپنے ذمے لے لیا تھا۔

صدقہ کرنے کے لیے محنت کی کمائی کرنا

جب حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو صدقے کی فضیلت اور صدقہ کرنے کی ترغیب دیتے تھے تو اس کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بازار جایا کرتے تھے اور لوگوں کا سامان اٹھا دیا کرتے تھے؛ چناں چہ اس کے نتیجے میں انھیں کھانا اور صدقہ کرنے کے واسطے کچھ رقم مل جاتی تھی۔ (صحیح البخاری، کتاب الاجارۃ، رقم الحدیث: ۲۲۷۳)

محنت اور اخلاص کا پھل

اس روایت میں آگے اس بات کا بھی ذکر ہے کہ: جو لوگ اس زمانے میں ایسا کرتے تھے، ان میں سے بعض ایک لاکھ کے مالک ہیں؛ یعنی ایک زمانہ وہ تھا کہ صدقہ کرنے کے واسطے مستقل بازار جا کر محنت کر کے، کما کر کچھ رقم صدقہ کرنی پڑتی تھی؛ لیکن آج ایک وقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی محنت اور اخلاص کی وجہ سے اتنی زیادہ برکت عطا فرمائی کہ وہ لاکھوں کے مالک بن گئے ہیں!

ایک غریب صحابی: حضرت ابوعقیل انصاری رضی اللہ عنہ کا چھوٹا سا نذرانہ

بہر حال! دیکھتے ہی دیکھتے مسجدِ نبوی کے صحن میں سونا، چاندی، غلّہ واناج اور دوسری چیزوں کا ڈھیر لگ گیا، اس وقت ایک غریب صحابی: حضرت ابوعقیل انصاری رضی اللہ عنہ شرماتے شرماتے آہستہ چلتے مسجدِ نبوی میں داخل ہوئے، ہاتھ میں ایک میلی کچیلی تھیلی تھی، ان کی نظر جب صحن میں پڑی تو ان کے پاؤں رک گئے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھ لیا تو پوچھا: اے عقیل! کیوں رک گئے؟

کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! رات بھر ایک کنویں سے ڈول کے ذریعے پانی کھینچ کھینچ کر ایک یہودی کے کھیت کو پانی پلاتا رہا، صبح مزدوری میں اس نے ایک صاع یہ چھوارے (سوکھی کھجوریں) دیے ہیں، بال بچّوں کی بھوک مٹانے کے لیے اس میں سے کچھ گھر دے آیا ہوں، باقی اللہ کے راستے میں اِس غریب مزدور کا چھوٹا سا نذرانہ ہے۔ (بخاری شریف، کتاب الاجارہ: ۲۱۵۳)

اس مزدور کے جذبے کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: محنت کرنے والا اللہ کا دوست ہے۔

منافقین کا طعنہ دینا

دوسری طرف منافقین یہ باتیں کرنے لگے: عبد الرحمن بن عوف اور عاصم بن عدی نے اتنا زیادہ مال دے کر دکھاوا کیا ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوعقیل کے ایک صاع سے بے نیاز ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی:

اَلَّذِیۡنَ یَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِیۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیۡنَ لَا

يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ (التوبة)

ترجمہ: یہ (منافق) لوگ (ایسے ہیں) جو دل کھول کر خرچ کرنے والے مؤمنوں کو طعنہ مارتے ہیں اور جن (مسلمانوں) کے پاس اپنی محنت (کی کمائی) کے سوا کچھ نہیں ہیں (اور وہ اپنی طاقت کے مطابق خرچ کرتے ہیں) سو وہ (منافقین) ان کا (بھی) مذاق اڑاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ان کے مذاق اڑانے کی سزا دیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

کھانے پینے اور سواری کی کمی

چندے میں جو نقد رقم آئی تھی اس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین میں تقسیم کر دیا؛ تاکہ وہ اس کے ذریعے جہاد کا سامان خرید سکیں، بہت سے لوگوں نے چندے میں جوتے بھی دیے تھے؛ کیوں کہ سفر بہت زیادہ لمبا تھا، تیس ہزار کا لشکر تھا؛ اس لیے شروع ہی سے سواری اور کھانے پینے کی کمی محسوس ہونے لگی۔

مفلس اور غریب صحابہ رضی اللہ عنہم کے آنسو

اس وقت انصار اور دوسرے قبائل سے سات آدمی ایمان لائے، وہ بھی اس غزوے میں جانے کے لیے تیار تھے؛ لیکن ان کے پاس سواری کا کوئی انتظام نہیں تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس کوئی سواری نہیں جو میں تم کو دوں۔

ان کے دلوں کو ایسا غم سوار ہوا کہ رات بھر روتے رہے، ان کے آنسو رک نہیں رہے تھے، ان مخلص بندوں کی اس ادا کو قرآنِ مجید نے بھی بیان فرمایا ہے:

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ (التوبة)

ترجمہ: اور ان لوگوں پر بھی (کوئی گناہ) نہیں ہے جو تمھارے پاس اس لیے آئے کہ تم ان کے لیے سواری کا انتظام کردو، تو تم نے (جواب میں یوں) کہا کہ: ابھی میرے پاس کوئی ایسی (سواری کی) چیز نہیں ہے جس پر میں تم کو سوار کروں، تو وہ (یہ سن کر اس حالت میں) واپس چلے گئے اور ان کی آنکھوں میں سے غم کی وجہ سے آنسو بہہ رہے تھے اس بات پر کہ (اللہ تعالیٰ کے راستے میں) خرچ کرنے کی کوئی چیز وہ لوگ پاتے نہیں ہیں۔

اشکِ ندامت

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ان کے کچھ ساتھیوں نے سواری لانے کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، اس وقت کسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غصے میں تھے، انھوں نے سواری مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اللہ کی قسم! میں ان کو کوئی سواری نہیں دے سکتا۔

واپس جا کر اپنے دوستوں سے یہ واقعہ سنایا، کہا: مجھے ڈر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے ناراض نہ ہو گئے ہوں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے چھ اونٹ خریدے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ذریعہ انھیں بلوایا، پھر چھ اونٹ دیتے ہوئے فرمایا:

تم کو میں نے نہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ سواری دی ہے!

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے تھوڑی دیر بعد آ کر کہا: اللہ کے رسول! آپ نے تو قسم

کھائی تھی! فرمایا: ہاں! لیکن جب کسی دوسری بات کو بہتر سمجھتا ہوں تو قسم کا کفّارہ ادا کر دیتا ہوں۔

نصیبوں کی بات

ان سات رونے والے صحابۂ کرام ؓ میں حضرت عبداللہ بن مغفّل ؓ اور ابولیلی عبدالرحمن ؓ کو راستے میں حضرت یامین بن عمرو نضری ؓ مل گئے، انھیں جب روتے دیکھا تو پوچھا کیوں رو رہے ہو؟ بتلایا کہ: اتنے پیسے نہیں ہے کہ سواری کے اونٹ خرید سکیں اور رسول اللہ ﷺ کے پاس اونٹ نہیں ہے کہ ہمیں دیں، ہم جہاد میں شریک ہونے سے محروم ہو جائیں گے۔

ان کی اس تڑپ کو دیکھ کر حضرت یامین ؓ کا دل بھر آیا، ایک اونٹ خریدا اور راستے کا توشہ بھی تیار کر دیا۔

رات کو صدقہ کرنے والا

ایک ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے بندے جن کا نام ''علیہ بن زید'' بتلایا جاتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ کی زبان سے جہاد کی ترغیب سنتے ہی ان کا دل جہاد کے جذبے سے لبریز ہو گیا؛ لیکن دوسری طرف یہ منظر بھی دیکھا کہ سواریاں نہ ہونے کی وجہ سے لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس سے مایوس ہو کر لوٹ رہے ہیں۔

رات میں تہجد کے لیے اٹھے اور دلوں کی بات سننے والے سے کہا:

اے اللہ! آپ نے جہاد کا حکم دیا، آپ کے پیارے رسول ﷺ نے جہاد کا شوق دلایا، اب میرے پاس اس کی طاقت ہے ہی نہیں، آپ کے رسول کے پاس بھی

سواری کا انتظام نہیں ہے، اے اللہ! اس محتاجگی میں جو کچھ میرے پاس ہے تیرے راستے میں صدقہ کرتا ہوں، میری جان، میری عزّت سب تیرے راستے میں قربان ہے۔

صبح جب فجر کی اذان ہوئی تو نماز کے لیے مسجدِ نبوی کی صف میں جا کر کھڑے ہو گئے، نماز ختم ہوتے ہی حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے پوچھا: رات کو صدقہ کرنے والا کون ہے؟ کسی نے کوئی جواب نہیں دیا، پھر پوچھا: صدقہ کرنے والا کون ہے؟

اس کے بعد ڈرتے ڈرتے حضرت علیہ بن زید رضی اللہ عنہ اٹھے اور پورا واقعہ سنایا۔

فرمایا: خوش ہو جاؤ، اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے! تیرا صدقہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہو چکا ہے۔

اجازت سے انکار

یہ تو مخلص مؤمنین کا حال تھا؛ مگر دوسری طرف تقریباً ۸۲ر دیہاتیوں نے جہاد میں شرکت سے معذرت چاہی، ان کا عذر قبول نہیں ہوا، یہ ''بنی غفار'' کے لوگ تھے، منافقین بھی بغیر عذر کے بیٹھے رہے، اسی کش مکش میں چند مخلص مسلمان بھی جہاد میں شریک ہونے سے پیچھے رہ گئے، اِن میں بنوسلمہ کے ''کعب بن مالک''، بنی عمرو بن عوف کے ''مرارہ بن ربیع'' اور بنی واقف کے ''ہلال بن امیّہ'' بھی شامل تھے۔

منافقوں کی چالیں

منافق لوگ اپنی چالوں میں مشغول تھے، وہ بھولے بھالے مسلمانوں کو بھی اپنی چال میں پھنسا کر جہاد میں جانے سے روک رہے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے بنوسلمہ کے ''جد بن قیس'' سے پوچھا: کیا تم رومیوں سے

مقابلے کے لیے چلو گے؟

کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! مجھے آزمائش میں نہ ڈالیں، میں ان کی عورتوں کو دیکھوں گا تو اپنے اوپر قابو نہیں پا سکوں گا، اے اللہ کے رسول! بہتر ہے کہ آپ مجھے اجازت دے دیں، اس کے بارے میں قرآنِ مجید میں آیا:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۭ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝۴۹ (التوبۃ)

ترجمہ: اور ان (منافقوں) میں سے ایک ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ: تم مجھ کو (جہاد میں نہ آنے کی) اجازت دے دو اور مجھ کو کسی فتنے میں مت ڈالو، ارے! فتنے میں تو یہ (پہلے ہی) پڑے ہوئے ہیں اور یقیناً جہنم (آخرت میں) کافروں کو گھیرنے والی ہے۔

بعض منافقین یہ کہہ کر لوگوں کو روکنے کی کوشش کرتے تھے کہ: گرمی بہت ہے، مت جاؤ، ورنہ مر کھپ جاؤ گے، اللہ تعالیٰ ان کی بات کو نقل فرماتے ہیں:

وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝۸۱

ترجمہ: اور وہ کہنے لگے کہ: تم گرمی میں مت نکلو، تو تم (ان کو) کہو کہ: جہنم کی آگ بہت زیادہ گرم ہے، کاش کہ وہ (اس بات کو) سمجھتے۔

کچھ منافق ''سویلم'' نامی یہودی کے گھر ''مقامِ جاسوم'' میں جمع ہوئے، مقصد لوگوں کو تبوک جانے سے روکنا تھا، اللہ کے رسول ﷺ کو جب اس بارے میں پتا چلا تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو آپ نے حکم دیا کہ جا کر اس گھر کو جلا دو، انھوں نے ایسا ہی کیا، ان سب نے گھر کے چھت پر سے کود کر اپنی جان بچائی۔

لشکر کی ترتیب

حضرت طلحہ کو رضی اللہ عنہ میمنہ، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو میسرہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مقدمہ پر مقرر فرمایا، لشکر کا سب سے بڑا جھنڈا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ مدینہ منورہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبوک کی طرف روانگی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ احزاب کے موقع پر یہ اعلان کر چکے تھے کہ اب مدینہ منورہ پر کوئی حملہ نہیں کر سکے گا؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ تبوک کی طرف روانگی کا ارادہ فرمایا۔

یہ پہلا موقع تھا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو پہلے سے بتلا دیا کہ ہمیں رومیوں کے مقابلے کے لیے تبوک جانا ہے؛ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عام معمول یہ تھا کہ جس جگہ جانا ہو اس کے علاوہ دوسری جگہ کا نقشہ معلوم فرمایا کرتے تھے۔

لیکن چوں کہ یہ مشقت والا سفر تھا، دشمن مضبوط تھا؛ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی سے بتلا دیا تھا، اعلانِ عام تھا اور سب کے لیے نکلنا ضروری تھا۔

رجب سن ہجری ۹/ جمعرات کا دن تھا، اسلامی لشکر مدینہ منورہ سے نکل کر "ثنیۃ الوداع" میں جمع ہوا، لشکر میں تقریباً تیس ہزار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تھے، جن میں دس ہزار گھوڑ سوار اور بارہ ہزار اونٹ سوار تھے۔ (از: سیرتِ احمدِ مجتبیٰ، ج:۳، ص:۳۰۴)

وفاداری کی رسم

منافقین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو طعنہ دینا شروع کیا کہ: آپ کو جان بوجھ کر پیچھے

چھوڑ دیا گیا ہے، بعضوں نے یہ بھی کہا کہ: انھیں جہاد میں نکلنا بھاری لگتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہتھیار اٹھائے اور جس جگہ لشکر کا قیام تھا وہاں جا پہنچے، کہنے لگے: میں کسی جہاد میں پیچھے نہیں رہا ہوں، اب مجھے کیوں عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جا رہے ہو؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے علی! کیا تم اِس بات سے راضی نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارون تھے، ہاں! اتنی بات ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں بن سکتا۔

یہ غزوہ ایک آزمائش تھی

تبوک کے مجاہدوں میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، سخت موسم اور تیز گرمی تھی، جس کی وجہ سے بہت سارے لوگ راستے ہی سے الگ ہو جاتے تھے، جب ایسا کوئی واقعہ ہوتا تو لوگ حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتاتے، سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے:

اگر اس شخص میں کوئی بھلائی ہوگی تو واپس مجاہدین کے ساتھ آ کر مل جاوے گا، ورنہ بہتر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو اس سے بچایا۔

اِس ارشاد کی وجہ سے تبوک کا یہ سفر مسلمانوں اور منافقوں کے درمیان ایک کسوٹی ثابت ہوا۔ مسلمانوں کے لیے سب سے بڑی تسلّی کا سامان اس بات میں تھا کہ خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِن مصیبتوں کو جھیل رہے ہیں۔

اکیلا چلے گا اور اکیلا ہی مرے گا

سفر کے درمیان ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ خبر پہنچائی گئی کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ

بھی پیچھے رہ گئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت کوئی جواب نہیں دیا، اگلی منزل پر قافلہ رُکا تو لوگوں نے دور سے ایک کالا نقطہ ابھرتے ہوئے دیکھا، لوگ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی آرہا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابوذر ہوں گے۔

سب اس طرف نظر لگائے بیٹھے رہے، جب وہ نقطہ قریب آیا تو لوگوں نے پہچان لیا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔

بات یہ تھی کہ ان کا اونٹ کمزور ہو گیا تھا، اسے چلانے کی بہت کوشش کی، اس کے باوجود جب نہیں چلا تو سارا سامان اٹھا کر چلتے چلتے لشکر کے پڑاؤ کے پاس آپہنچے، لوگوں نے جب اچھی طرح پہچان لیا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ہی ہیں تو جلدی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے: اللہ کے نبی! وہ ابوذر ہی ہے!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ ابوذر پر رحم فرماوے! اکیلا چلتا ہے، اکیلا مرے گا اور قیامت کے دن اکیلا اٹھایا جائے گا۔

آخر کار وہی ہوا جیسا سرکار نے فرمایا تھا

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد انھوں نے ملکِ شام میں سکونت اختیار کی، جہاں سرمایہ داروں پر تنقید کرنے لگے، اس کے بعد امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں مدینہ بلا لیا؛ مگر یہاں آکر بھی وہ سرمایہ داروں اور دولت جمع کرنے والوں کی شدید مخالفت کرتے رہے۔

چناں چہ ایک مدت کے بعد وہ ناراض ہو کر مدینہ منورہ چھوڑ کر اپنی بیوی کے ساتھ "مقامِ ربذہ" چلے گئے، اسی صحرا والے علاقے میں ایک مدت گزارنے کے بعد

ان کی وفات ہوئی، ان کے انتقال کے وقت ان کے پاس ان کی بیوی اور ایک قافلے والوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا، انھیں لوگوں نے مل کر ان کو اس صحرا میں دفن کر دیا تھا، اس طرح ان کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ (از: سیرتِ احمدِ مجتبیٰ، ج:۱، ص:۲۲۰)

اور یہ بات تو طے ہے کہ جس کو جہاں دفنایا گیا ہے، قیامت کے دن اس کو اسی جگہ سے اٹھایا جائے گا۔

حضرت ابوالخیثمہ رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری

ایک صحابی جن کا نام ''ابوالخیثمہ'' تھا، وہ سفر کرنے کے متعلق تشویش میں تھے، ایک دن دھوپ بہت تیز تھی، اپنے باغ میں گئے، خوب صورت نوجوان دو بیویاں ساتھ تھیں، ایک طرف کھجور کے درخت کی چھاؤں تھی، دوسری طرف بیوی نے زمین پر پانی ڈال کر مزید ٹھنڈک کر دی، میاں بیوی اس پر بچھونا بچھا کر بیٹھنے کی تیاری کر رہے تھے۔

حضرت ابوالخیثمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اچانک میرے دل میں خیال آیا کہ میرے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مشقت اور تکالیف برداشت کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں اور میں یہاں اپنے باغ میں آرام سے بیٹھا ہوں۔

فوراً اپنا گھوڑا نکالا اور تیز رفتاری کے ساتھ تبوک کی طرف بڑھنے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قافلے کو پیچھے سے گرد و غبار آتا ہوا نظر آیا تو لوگوں نے دیکھا کہ دور سے ایک گھوڑ سوار آ رہا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے جملہ نکلا کہ: یہ آنے والے شخص ''ابوالخیثمہ'' ہی ہوں گے۔ اس طرح انھوں نے اپنی جاں نثاری اور وفاداری کا ثبوت دیا۔

وہ کہاں ہے؟

رسول اللہ ﷺ ایک دن صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما تھے، پوچھا: یہ کعب نے کیا کیا؟ جہاد کے لیے نہیں آئے؟

ان کے قبیلے کے ایک آدمی حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول! وہ تو اپنی مستی میں مست ہوں گے۔ یہ سن کر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بولے: اے آدمی! تو نے بہت بری بات کہی ہے، یارسول اللہ! اللہ کی قسم! ہم ان کے بارے میں سوائے بہتری کے اور کچھ نہیں جانتے، یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے خاموشی اختیار کی۔

میں وہی بات کہتا ہوں جو میرے رب بتلاتے ہیں

راستے میں کسی جگہ آپ ﷺ کی اونٹنی گم ہوگئی، لشکر میں موجود ایک منافق ''زید'' نے کہا: محمد نبی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور آسمان کی خبریں دیتے ہیں؛ مگر ان کو اپنے اونٹ کی خبر نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے اس کی ساری باتیں بتلا دی۔

آپ ﷺ نے فرمایا: بعض لوگ میرے بارے میں ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہیں، یاد رکھو! میں وہی کہتا ہوں جو میرے رب مجھے بتلاتے ہیں۔ میرے رب نے مجھے خبر دی ہے کہ: میری اونٹنی فلاں وادی کے ایک درخت میں اس کی مہار اٹک جانے کی وجہ سے کھڑی ہے، جب تلاش کی گئی تو اسی جگہ سے ملی۔

یہ وحی اور نبوت کی صداقت کی بڑی دلیل بنی۔

خوش نصیب صحابی! یہ نصیب اللہ اکبر!

ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ فجر سے پہلے اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے تشریف لے گئے، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ لوٹا اٹھائے ساتھ تھے، حاجت سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے وضو فرمایا۔

اس دوران وقت کم ہونے کی وجہ سے لوگوں نے حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو امام بنا دیا اور نماز شروع کر دی، حضور ﷺ واپس آئے تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ان کو پیچھے ہٹانا چاہا؛ مگر حضور ﷺ نے منع فرمادیا اور خود ان کے پیچھے مقتدی بن کر نماز شروع کر دی۔

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جب سلام پھیرا تو چوں کہ آپ ﷺ کی ایک رکعت چھوٹ گئی تھی؛ اس لیے آپ اس کو پورا کرنے لگے، لوگوں نے آپ ﷺ کو اِس حالت (مقتدی کی حیثیت) میں دیکھا تو استغفار کرنے لگے۔

آپ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد فرمایا: تم لوگوں نے اچھا کیا۔

آپ ﷺ کا تبوک میں قیام

بہر حال! آپ ﷺ مختلف مقامات پر قیام کرتے ہوئے تبوک پہنچ گئے، آپ ﷺ نے اس جگہ قیام فرمایا تھا جہاں آج ''مسجد الرسول'' واقع ہے، اور آج جس جگہ قلعہ ہے وہاں حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے قیام فرمایا تھا، تقریباً بیس دن تک آپ ﷺ نے وہاں قیام فرمایا اور اس دوران آپ ﷺ رومیوں کی حرکت پر پوری نظر رکھے ہوئے تھے۔

تبوک میں اسلام کی دعوت

اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبوک کو مرکز بنا کر اس کے آس پاس کے علاقے جو کہ کفر و شرک کے مراکز تھے، وہاں اسلام کی دعوت پہنچائی، چناں چہ تبوک کے قریب ''دومۃ الجندل'' کے نام سے ایک جگہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ اس کی طرف روانہ فرمایا۔

پھر عَیلہ کا بادشاہ ''روحنا بن روبا'' خود حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ماتحتی میں رہ کر جزیہ (ٹیکس) دینا قبول کیا۔

''جرباء'' اور ''اذرح'' جو اردن کے علاقے ہیں وہاں کے بادشاہ نے بھی آکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صلح اور معاہدہ کر لیا اور جزیہ دینا قبول کر لیا۔

دشمن مقابلے پر نہیں آیا

تبوک میں جا کر مسلمان پڑاؤ ڈالے رہے، لڑائی کی دور دور تک کوئی علامت نہیں تھی، نہ ''لخم''، ''جذام'' اور ''غسان'' کے قبائل آئے اور نہ ہرقل، پتا چلا کہ ہرقل تو حمص میں ٹھہرا ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتنے بڑے لشکر کے ساتھ عرب کی سرحدوں تک جانے سے دشمن ڈر گئے۔

ہرقل کو پتا چلا کہ عیسائیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بارے میں جو خبر دی تھی وہ جھوٹی ہے، اگر یہ لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو اتنا لمبا سفر کر کے یہاں تک نہ آتے، یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے موتہ میں ہمارے ایک بہت بڑے لشکر کو پیچھے کر دیا تھا، اب تو ان کا قائد و سپہ سالار خود ان کا نبی ہے۔

رومیوں نے اپنے ایک جاسوس کو بھیجا کہ جا کر لشکر کا حال معلوم کرے، وہ لشکر کا حال دیکھ کر بہت زیادہ مرعوب ہو کر لوٹا، اس کے بعد ہرقل بادشاہ نے اپنے درباریوں سے پوچھا کہ: کیوں نہ ہم مسلمان ہو جائیں؟

وہ لوگ ہرقل کے خلاف ہو گئے؛ لہٰذا حکومت ہاتھ سے نکل جانے کے خوف سے ہرقل نے بات بدل دی۔

واپسی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ملکِ شام کی سرحدوں کی طرف جانے کی وجہ سے رومیوں پر ایک قسم کا رعب طاری ہو گیا اور وہ جنگ کے لیے ہی نہیں آئے اور سن ہجری ۹/رجب کے مہینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

منافق-خون کے پیاسے

مغازیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت عروہؒ نے لکھا ہے: منافق چاہتے نہیں تھے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحیح وسالم مدینہ منورہ واپس لوٹے، انھوں نے یہ پلان بنایا تھا کہ نعوذ باللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی پہاڑ کی چوٹی سے گرا دیں۔

زاد المعاد میں لکھا ہے: ایک اندھیری رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک تنگ راستے سے جا رہے تھے- جو کسی پہاڑی سے ہو کر گزرتا تھا- اور لشکر دوسرے راستے سے جا رہا تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو کچھ لوگوں کے آنے کی آواز سنی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ انھیں ہٹا دیں، انھوں نے ان کی سواریوں کو تیر دان سے مار کر بھگایا، وہ منہ

پر نقاب ڈالے ہوئے تھے۔

ان کو بھگا کر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ واپس لوٹے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلدی سے چوٹی سے اتر کر لشکر میں مل گئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو پوچھا: کیا تم ان میں سے کسی کو جانتے ہو؟ کہا: فلاں فلاں کی سواری میں نے پہچان لی؛ لیکن نقاب اور اندھیرے کی وجہ سے پہچان نہیں سکا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کیا تمھیں معلوم ہے وہ کس مقصد سے آئے تھے؟

کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے معلوم نہیں ہے۔

فرمایا: وہ ساتھ چل کر مجھے پہاڑ کی چوٹی سے گرانا چاہتے تھے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز داں

یہ سن کر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے حکم دیں تو میں ان کی گردنیں اڑا دوں، فرمایا: میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ لوگ یوں کہیں کہ: محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو سب منافقین کے نام بتائے اور فرمایا کہ: یہ کسی اور کو ہرگز مت بتلانا! اسی لیے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو "صَاحِبُ سِرِّ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" (اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راز داں) کہا جاتا ہے۔

بعد میں جب کسی کا انتقال ہوتا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جنازے میں شریک ہونے سے پہلے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیا کرتے تھے کہ وہ شریک ہوئے ہے یا نہیں؟ اگر وہ شریک نہ ہوتے تو سمجھ لیتے تھے کہ وہ منافق تھا۔

اس سفر میں منافقوں کی اصلیت سامنے آگئی

تبوک کے اس سفر میں شروع ہی سے بہت سارے منافقین بہانے بازی کر کے

پیچھے رہ گئے تھے، پھر بھی اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کچھ منافقین اس نیت سے ساتھ ہو گئے تھے کہ وہاں جا کر دیکھتے ہیں کہ ان مسلمان پر کیا گزرتی ہے؟ ان مسلمانوں پر کیسے اور کس طرح کے حالات پیش آتے ہیں؟

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے کلام میں ان منافقین کے برے ارادوں اور ان کی بہانے بازی کو ظاہر فرما کر ان کی پول کھول دی اور رہتی دنیا تک ان کو رسوا کر دیا، قرآنِ مجید میں ہے:

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۫ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾

ترجمہ: جب تم (جہاد سے) ان (منافقوں) کی طرف واپس جاؤ گے تو وہ لوگ تمھارے سامنے بہانے کرنے آئیں گے تو تم (اے نبی!) کہہ دو کہ: تم بہانے مت بناؤ، ہم تمھاری بات ہرگز نہیں مانیں گے، اللہ تعالیٰ نے ہم کو تمھارے حالات اچھی طرح بتلا دیے ہیں اور آئندہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول تمھارے کام (یعنی کار گزاری) کو دیکھیں گے، پھر تم چھپی اور کھلی چیز کو جاننے والے (اللہ تعالیٰ) کی طرف لوٹا دیے جاؤ گے، پھر اللہ تعالیٰ جو کام تم کرتے تھے اس کی حقیقت تم کو بتلا دیں گے ﴿۹۴﴾ جب تم (لوٹ کر) ان کے پاس واپس جاؤ گے تو وہ (منافق) لوگ تمھارے سامنے اللہ

تعالیٰ کی قسمیں کھائیں گے؛ تاکہ تم ان سے درگزر کرو، تو تم ان کو نظر انداز کر دو، یقیناً وہ (منافق) لوگ تو ناپاک ہیں اور جہنم ان کے رہنے کی جگہ ہے، جو (گناہ) وہ کماتے تھے یہ اس کی سزا ہے ﴿۹۵﴾ وہ لوگ تو تمھارے سامنے قسمیں کھائیں گے؛ تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ، سو اگر تم ان (منافقوں) سے راضی ہو جاؤ گے تو بھی یہ بات تو یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں سے راضی نہیں ہوں گے۔

مسجدِ ضرار منافقوں کی چال

ابو عامر فاسق جو کہ ان دنوں ہرقل کے پاس تھا، اس نے منافقوں کو یہ خط لکھا کہ اپنے محلے میں ایک مسجد تعمیر کرواور وہاں مشورے کے لیے جمع ہوا کرو! لوگوں کی آنکھ میں دھول ڈالنے کے لیے انھوں نے اس کو مسجد کا نام دے دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبوک جانے سے پہلے بارہ منافقوں نے اس کو بنایا اور اللہ کے رسول کے پاس آ کر کہنے لگے: ہم نے اس مسجد کو بیماروں اور کمزوروں کی آسانی کی خاطر بنایا ہے، بارش کے دنوں میں یہاں عبادت کرنے میں آسانی ہوگی؛ لہٰذا آپ برکت کے واسطے یہاں نماز ادا کریں تو بہتر ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تبوک سے واپسی پر آؤں گا۔

اس زمانے میں مدینہ منورہ میں صرف دو ہی مسجدیں تھیں: ایک بیچ شہر میں ''مسجدِ نبوی'' اور دوسری عوالی میں ''مسجدِ قبا''، ایسے حالات میں ایک نئی مسجد کا قیام مسلمانوں کے درمیان جدائی کا سبب بن سکتا تھا اور یہ بات اسلامی مصلحت کے خلاف تھی۔

یہی وجہ تھی کہ یہ لوگ مسجد تعمیر کرنے سے پہلے اس کی ضرورت ثابت کرنے پر مجبور تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبوک کے سفر کے دوران یہ لوگ اپنی مجلس بازی اور مشورے

کرتے رہیں اور انھیں یہ خیال تھا کہ مسلمان اس لڑائی میں ختم ہوجاویں گے۔

(از: معارف القرآن، سورۂ توبہ، آیت: ۱۰۷)

سازش کا اڈّہ خاک کے سپرد

چناں چہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے لوٹے اور آپ کا پڑاؤ ”مقامِ ذی اوان“ میں تھا، تب یہ لوگ آپ کا کیا ہوا وعدہ یاد دلانے آئے، عین اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونا شروع ہوئی:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ۝

ترجمہ: اور جن لوگوں نے ایک مسجد (مسلمانوں کو) نقصان پہنچانے کے لیے اور کفر (کو طاقت پہنچانے) کے لیے اور ایمان والوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لیے بنائی اور اس آدمی کو اڈہ (یعنی ٹھہرنے کی جگہ) دینے کے لیے جو پہلے سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑائی (مخالفت) کر رہا ہے، اور (اوپر سے) ضرور یہ لوگ قسم کھائیں گے کہ ہمارا ارادہ تو بس بھلائی ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتے ہیں کہ یقیناً وہ لوگ جھوٹے ہیں ﴿۱۰۷﴾ (اے نبی!) تم اس میں کبھی (نماز کے لیے) کھڑے مت رہنا، البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ زیادہ لائق ہے کہ تم اس میں (نماز کے لیے) کھڑے ہوں، اس میں ایسے لوگ ہیں جو صاف ستھرا رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پاک صاف رہنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔ (سورۂ توبہ)

آپ ﷺ نے اسی وقت حضرت مالک خشعمی رضی اللہ عنہ اور حضرت حصن بن عدی عجلانی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور حکم دیا کہ: اسے جا کر جلا دو، ان دونوں حضرات نے جا کر اس سازش کے اڈے کو جلا کر خاک کر دیا۔

نحوست ہی نحوست

تفسیرِ مظہری میں محمد بن صالح کے حوالے سے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جب سفر سے اللہ کے رسول ﷺ واپس مدینہ منورہ پہنچے تو مسجدِ ضرار کی جگہ کھالی پڑی تھی، آپ ﷺ نے عاصم ابن عدی کو اس کی اجازت دی کہ وہ اس جگہ اپنا گھر بنالیں، انھوں نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! جس جگہ کے متعلق قرآنِ کریم میں آیات نازل ہو چکی ہوں، میں اس جگہ گھر بنانا پسند نہیں کرتا؛ البتہ ثابت بن اقرم ضرورت مند ہیں، ان کے پاس گھر نہیں ہے، ان کو اجازت دے دیجیے کہ وہ یہاں مکان بنالیں۔ مگر ہوا یہ کہ جب سے ثابت اس مقام میں مقیم رہے ان کا کوئی بچہ نہیں ہوا یا زندہ نہ رہا۔

اہلِ تاریخ نے لکھا ہے کہ انسان تو کیا کوئی مرغی بھی انڈے، بچے دینے کے قابل نہ رہی، کوئی کبوتر اور جانور بھی اس میں پھلا پھولا نہیں؛ چناں چہ اس کے بعد سے لے کر آج تک یہ جگہ ویران پڑی ہے، اس طرح منافقوں کا یہ سازش کا اڈہ تا صبحِ قیامت منحوس ہو کر رہ گیا! (از: معارف القرآن)

آپ ﷺ کی مدینہ منورہ واپسی

رمضان المبارک کے شروع میں حضرت نبیٔ کریم ﷺ مدینہ پہنچ گئے، سب سے پہلے آپ ﷺ مسجدِ نبوی میں تشریف لے گئے اور دو رکعت نفل نماز ادا کی، پھر کچھ

دیر لوگوں سے ملاقات کے لیے بیٹھے رہے، جو لوگ آپ ﷺ کے ساتھ جہاد میں نہیں گئے تھے وہ اپنا عذر بیان کرتے تھے، یہ کل ۸۰ رلوگ تھے۔ آپ ﷺ ان کے نہ آنے کی وجہ قبول فرمالیتے تھے اور ان کے دل کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کردیتے تھے۔

غزوۂ تبوک کا اثر اور نتیجہ

① تبوک کے اِس اچانک سفر کی وجہ سے اتنا بڑا دشمن بھی حیران رہ گیا کہ اتنے سخت حالات میں بھی یہ لوگ یہاں عرب کی سرحدوں تک کیسے آگئے!

② لاکھوں کی تعداد اور سازوسامان سے لیس فوج کا اسلامی لشکر کے ساتھ مقابلے کے لیے نہیں آنا، یہ اسلام اور مسلمانوں کی مضبوطی اور طاقت کا اعتراف (قبول کرنا) تھا۔

③ اِس سفر میں عرب کے بہت سارے قبیلے اسلام کی طرف مائل ہوئے اور بہت سارے لوگوں کے ساتھ صلح کے معاہدے ہوئے۔

④ خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر مسلمانوں نے جیت کے تمام فوائد حاصل کیے۔

⑤ تبوک سے کامیاب واپسی کے بعد عرب کے تمام قبائل نے اسلام کو اپنانے میں ہی اپنی بھلائی سمجھی، دور دراز علاقوں سے وفود نے آکر اسلام قبول کرلیا۔

⑥ مجاہدین کا حوصلہ بلند ہوا اور ان کی تربیت بھی ہوگئی کہ نازک حالات میں کس طرح کے قدم اٹھانے چاہییے۔ (از: سیرتِ احمدِ مجتبیٰ، ج:۳، ص:۳۲۶)

تبوک کا چشمہ (عَیْنُ السُّکَّر) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عجیب معجزہ

تبوک میں جہاں آج ''مسجد الرسول'' واقع ہے اس کے قریب میں پانی کا ایک چشمہ بھی ہے اور اس کے اردگرد دیواریں بھی بنی ہوئی ہیں، اس چشمے کا نام ''عین السکر''

ہے۔صحیح مسلم شریف اور حدیث کی دوسری کتابوں میں اس کے متعلق روایت ہے:

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ: تبوک کے راستے میں آپ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا:

إِنَّكُمْ سَتَأْتُونَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ عَيْنَ تَبُوكَ، وَإِنَّكُمْ لَنْ تَأْتُوهَا حَتَّى يُضْحِيَ النَّهَارُ. (المسلم، باب فی معجزات النبی ﷺ، رقم الحدیث:۷۰۶)

ترجمہ: کل تم ان شاء اللہ! تبوک کے چشمے پر پہنچو گے، تم جب وہاں پہنچو گے تو چاشت کا وقت ہوگا۔

یہ بھی فرمایا تھا کہ: تم میں سے جو شخص بھی پہلے پہنچے وہ اس چشمے کا پانی پہلے استعمال نہ کریں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب وہاں پہنچے تو پہلے سے ہی اس چشمے پر دو آدمی موجود تھے، اس چشمے سے قطرہ قطرہ پانی نکل رہا تھا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے پوچھا کہ: کیا تم نے اس چشمے کا پانی استعمال کرلیا ہے؟

انھوں نے کہا: ہاں! ہم نے اس کا پانی استعمال کرلیا ہے۔

چناں چہ ان کی اس حرکت سے آپ ﷺ بہت ناراض ہوئے۔

بعض روایات سے پتا چلتا ہے کہ یہ آگے جانے والے دو آدمی منافق تھے۔

چشمے سے پانی بہنا

اس کے بعد حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بڑی مشقت سے اپنے چلّو میں تھوڑا سا پانی بھر کر لائے اور حضور ﷺ کے مبارک ہاتھوں میں رکھ دیا، آپ ﷺ نے اس سے وضو فرما کر واپس اس پانی کو چشمے میں ڈالنے کا حکم دیا۔

بس! فوراً اس چشمے سے پانی جاری ہو گیا اور اتنی زیادہ مقدار میں نکلا کہ پورے تیس ہزار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لشکر کے لیے کافی ہو گیا۔

اس چشمے کے متعلّق آپ کی پیشین گوئی

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بلا کر ارشاد فرمایا: اے معاذ! اگر تمھاری زندگی باقی رہے تو بعد میں آپ اس جگہ آکر دیکھنا کہ اس چشمے کی وجہ سے یہاں کے باغ کیسے ہرے بھرے ہوں گے۔

سبحان اللہ! چودہ سو سال گزرنے کے بعد آج بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ موجود ہے، اس کی برکت سے یہ پورا علاقہ سرسبز و شاداب ہے۔ تبوک کے کئی کھیت اور باغات آج بھی اسی چشمے سے سیراب کیے جاتے ہیں اور ان شاء اللہ! قیامت تک اس جگہ یہ چشمہ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے انوار اور برکات باقی رہیں گے۔

چشمے کا پانی عین چشمے کی جگہ اِس وقت نظر نہیں آتا، اس کو احاطہ کر لیا گیا ہے، البتہ اطراف میں بورینگ کی شکل سے بڑی مقدار میں پانی حاصل کیا جاتا ہے۔

ہریالی میں دن بہ دن اضافہ

یہاں کے مقامی لوگ کہتے ہیں کہ: اس علاقے کی تروتازگی میں دن بہ دن اضافہ ہو رہا ہے، یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک زندہ معجزہ ہے، جس سے لوگ صدیاں گزرنے کے بعد بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

تبوک کا قلعہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے خلافت کے زمانے میں اس چشمے کی تجدید کی گئی تھی،

اس کے بعد عباسی خلفا کے زمانے میں اس پر ایک قلعہ تعمیر کیا گیا تھا، اسی قلعے میں بیٹھ کر ہم آپ کو یہ ساری کارگزاری سنا رہے ہیں۔

یہ قلعہ بڑا عالی شان ہے جو اپنی آب و تاب کے ساتھ آج بھی قائم ہے۔

حضرت ذُو الْبِجَادَیْن رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری

''مسجد الرسول'' کے بالکل سامنے ایک احاطہ ہے، اس احاطے میں مشہور صحابی: حضرت عبداللہ ذو البجادین رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک بتلائی جاتی ہے، الحمد للہ! وہاں بھی حاضر ہو کر ایصالِ ثواب کی سعادت حاصل ہوئی۔

حضرت ذو البجادین رضی اللہ عنہ کا تعارف

اسلام لانے سے پہلے ان کا نام ''عبد العزیٰ'' تھا، بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر کے ''عبداللہ'' رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادتِ شریفہ تھی کہ کوئی صحابی اگر اسلام لے آتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا نام مناسب معلوم نہ ہوتا تو آپ ان کا نام بدل دیا کرتے تھے۔

یہ یتیم تھے، اپنے چچا کی پرورش اور نگرانی میں رہتے تھے، وہ ان کو ہدیے اور تحائف دیا کرتے تھے، ان کے چچا کو کسی طرح پتا چلا کہ ان کے بھتیجے نے ایمان قبول کر لیا ہے؛ لہذا چچا نے ان کو دھمکی دی کی اگر تم محمد کا دین نہیں چھوڑو گے تو میں جو تیری مدد کرتا ہوں وہ بند کر دوں گا، نیز جو کچھ تجھ کو دیا ہے وہ بھی واپس لے لوں گا۔

یہ سن کر انھوں نے اپنے چچا سے فرمایا: چچا! میں تو مسلمان ہو چکا ہوں، آپ جو کرنا چاہیں کر لیں؛ چناں چہ ان کے چچا ان کو جو کچھ دیتے تھے وہ سب بند کر دیا؛ بلکہ

اب تک جو دیا تھا وہ بھی واپس لے لیا؛ یہاں تک کہ ان کے بدن پر جو کپڑے تھے وہ بھی اتار لیے۔

یہ صحابی بالکل ننگے ہو گئے، اپنی ماں کے پاس آئے اور اپنی ماں کو سارے حالات بیان کیے۔

ذوالبجادین نام کی وجہ

غریب ماں کے پاس ایک موٹا کپڑا موجود تھا، جس کو عربی میں ''بِجَاد'' کہا جاتا ہے، ماں نے اس موٹے کپڑے کے دو ٹکڑے کیے، اس میں سے ایک کا قمیص بنایا اور دوسرے ٹکڑے سے ازار بنائی۔

اس کے بعد ایک دن وہ فجر کی نماز پڑھنے کے لیے گئے، انھیں دیکھ کر لوگوں نے پوچھا تم کون ہو؟

انھوں نے کہا: میں ''عبدالعزّیٰ'' ہوں۔

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں! تم عبداللہ ہو، ذوالبجادین ہو، اس کے بعد ان کا لقب ''ذوالبجادین'' پڑ گیا۔

اللہ کے سامنے بہت گڑگڑانے والے تھے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ: آپ میرے دروازے پر رہا کیجیے؛ چناں چہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے پر رہا کرتے تھے اور ہمیشہ تلاوت اور تسبیحات میں مشغول رہتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ: اے اللہ کے

رسول! کیا یہ آدمی لوگوں کے سامنے دکھلاوا کر رہا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں! اے عمر! یہ آدمی ان لوگوں میں سے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے بہت گڑگڑاتے ہیں۔

سفرِ تبوک میں حضرت حضرت ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کا انتقال

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: تبوک کے سفر کے دوران ایک مرتبہ آدھی رات میں میری آنکھ کھل گئی، میں نے لشکر کے کنارے نظر دوڑائی، میں نے دیکھا کہ لشکر کے کنارے ایک جگہ آگ جل رہی ہے، قریب جا کر دیکھا تو وہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔

وہ حضرات حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو جانے کی وجہ سے ان کی قبر کھود رہے تھے، قبر تیار ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذاتِ خود ان کی قبر میں اترے اور فرمانے لگے: اِن کو ادھر لاؤ! ان کو میرے قریب کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت

جب ان کا جنازہ قریب لایا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ان کو اپنے مبارک ہاتھوں سے قبر میں رکھا اور یہ دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ قَدْ اَمْسَیْتُ رَاضِیاً عَنْہُ فَارْضِ عَنْہُ.

ترجمہ: اے اللہ! آج جب شام ہوئی تھی تو میں ان سے راضی تھا، اے اللہ! آپ بھی ان سے راضی ہو جائیں۔

یہ عجیب منظر دیکھ کر خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

يَا لَيْتَنِيْ كُنْتُ صَاحِبَ الْحُفْرَةِ!

ترجمہ: کاش کہ ان کی جگہ میں قبر میں ہوتا اور حضور ﷺ کی یہ بڑی بشارت مجھے حاصل ہوتی!

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے!

آج جس جگہ ''مسجد الرسول'' بنی ہوئی ہے، اس کے بالکل سامنے ایک احاطہ ہے، اس احاطے میں ان کی قبر مبارک بتلائی جاتی ہے۔

مدین کے علاقے میں

آج پیر کے دِن عصر کا وقت ہے، ہم تبوک کی زیارات سے فارغ ہوکر ''البدع'' شہر میں پہنچ چکے ہیں، یہ تبوک سے ۲۵۰ رکلومیٹر کے فاصلے پر ہے، نیز یہ مدین کا ہی جدید نام ہے، یہ وہی ''اصحاب الایکۃ'' کا علاقہ ہے جن کی طرف اللہ کے نبی: حضرت شعیب علیہ السلام بھیجے گئے تھے، آج بھی قومِ شعیب علیہ السلام کے مکانات کے آثار موجود ہیں۔

اِس علاقے میں کثرت سے کھجور اور زیتون کے درخت ہیں، یہ پورا پہاڑی علاقہ ہے، طرح طرح کے رنگ بہ رنگی اور الگ الگ طریقے سے تراشے ہوئے پہاڑ یہاں موجود ہیں، دوسری طرف اس علاقے کے کنارے بحرِ احمر (Red sea) اور بحرِ قلزم پڑتا ہے، جس کو دیکھ کر بے اختیار زبان سے قرآنِ مجید کی آیت جاری ہوتی ہے:

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿١٤﴾

ترجمہ: سو بڑی شان ہے اللہ تعالیٰ کی جو سب بنانے والوں میں سب سے اچھے بنانے والے ہیں۔

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سسرال ہے۔

مدین نام کی وجہ

بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک تیسری بیوی تھی جن کا نام ''قطورا'' تھا، ان سے ایک بیٹا تھا، جس کا نام ''مدین بن ابراہیم'' تھا، ان کے نام سے اس شہر کا نام ''مدین'' رکھا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو بیویاں ہی زیادہ مشہور ہیں: ایک تو حضرت ''سارہ'' ہیں، جن کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اور جن کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں، جن سے بنواسرائیل کی نسل چلی ہے اور دوسری بیوی حضرت ''ہاجرہ'' ہیں، جو شاہزادی تھی اور جن کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تھے، جن کی نسل میں اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

بہرحال! یہ ''مدین'' نامی صاحب زادے آپ کی تیسری بیوی سے تھے۔

فنِّ تعمیر میں مہارت

عادِ اولیٰ کی طرح یہ قوم بھی فنِ تعمیر اور پہاڑوں کو تراش کر گھر اور مقبرے بنانے میں بڑی مہارت رکھتی تھی، ان کی تعمیرات کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں، نیز ان کی بنائی ہوئی عمارت میں داخل ہونے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے دروازوں پر پردوں کا اہتمام بھی ہوتا ہوگا!

یہ بستی بھی ملکِ شام جاتے وقت راستے میں پڑتی ہے، جس کو قرآنِ کریم نے اس طرح تعبیر کیا ہے:

وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ (الحجر)

ترجمہ: اور یقیناً یہ (لوط علیہ السلام کی قوم کی عذاب دی ہوئی بستیاں) سیدھے راستے پر ہیں۔

جس کو ہم آج کے زمانے میں شاہراہ (Express highway) سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

عینِ موسیٰ علیہ السلام

پیر کے دن مغرب سے پہلے کا وقت ہے، ہم اِس وقت مدین کے علاقے میں ہے، یہ وہ علاقہ ہے کہ وادیٔ تیہ کے زمانے میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو پانی کی ضرورت پیش آئی تو اللہ تعالیٰ نے یہاں چشمے جاری فرما کر ان کے لیے پانی کا انتظام کیا تھا؛ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ: اپنا عصا (لاٹھی) پتھر پر مارو، اس کے بعد جب آپ نے اپنا عصا اس پتھر پر مارا تو اس سے بارہ چشمے جاری ہو گئے، اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں فرماتے ہیں:

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝۶۰ (البقرۃ)

ترجمہ: اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے واسطے (وادیٔ تیہ میں) پانی کی دعا کی، تو ہم نے کہا کہ: (موسیٰ!) اپنے عصا کو (خاص) پتھر پر مارو، سو (لکڑی مارتے ہی) اس (پتھر) سے بارہ چشمے بہنے لگے، پکی بات یہ ہے کہ ہر قبیلے نے اپنے پانی پینے کی جگہ کو پہچان لیا، (ہم نے کہا) تم اللہ تعالیٰ کے (دیے ہوئے) رزق میں سے کھاؤ اور پیو اور تم زمین میں فساد مچاتے مت پھرو۔

ہم لوگ ابھی جس جگہ موجود ہیں، یہ وہی جگہ بتلائی جاتی ہے، یہاں ایک بڑا پتّھر موجود ہے اور آج بھی اس سے کچھ مقدار میں پانی نکل رہا ہے؛ بلکہ اس پتّھر کے ارد گرد سے تقریباً چھ سے زیادہ جگہوں سے پانی نکل رہا ہے، نیز آگے جا کر یہ پانی چشمے کی شکل اختیار کر رہا ہے۔

آگے بارہ چشمے بارہ گھاٹ کی شکل میں ایک نئے انداز میں تیار کیے جا رہے ہیں۔ اس کے اطراف میں خوب صورت کھجور کے درخت ہیں، یہ علاقہ آج کل شہر "بدع" کے ماتحت پڑتا ہے۔

بارہ چشمے ہی کیوں جاری ہوئے؟

حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو "بنو اسرائیل" کہا جاتا ہے، ان کے کل بارہ بیٹے تھے؛ لہٰذا بارہ بیٹوں سے جو بارہ خاندان وجود میں آئے، ان کو "بنو اسرائیل" کہا جاتا ہے۔

چوں کہ ان کے بارہ خاندان تھے: اس لیے ان کے واسطے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارہ الگ الگ چشمے جاری کیے گئے، نیز اس طرح کرنے میں ایک انتظامی مصلحت بھی تھی، جس کو قرآنِ مجید نے ذکر کیا ہے:

قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ.

ترجمہ: پکی بات یہ ہے کہ ہر قبیلے نے اپنے پانی پینے کی جگہ کو پہچان لیا۔

تا کہ ہر قبیلے کے لوگ اپنی اپنی پانی پینے کی جگہ پہچان لیں۔

بعض مفسرین نے ایک روایت ذکر کی ہے کہ: "بنو اسرائیل" میں بارہ الگ الگ خاندان تھے؛ مگر ان میں کوئی چھوٹا خاندان تھا، جس میں افراد کم تھے اور کوئی بڑا

خاندان تھا، جس میں افراد زیادہ تھے۔

لہٰذا اسی تعداد کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے لیے پانی کے چشمے متعین کیے گئے تھے؛ یعنی جن کی تعداد زیادہ تھی ان کو بڑا اور جن کی تعداد کم تھی ان کو چھوٹا چشمہ سپرد کیا گیا تھا۔

مدین کے ''البدع'' نامی شہر میں رات کا قیام
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مبارک کنواں

آج منگل کا دن ہے، گزشتہ رات ہم نے اسی مدین کے ''البدع'' نامی شہر میں گزاری ہے، صبح کے ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد ابھی ہم اس تاریخی کنویں پر موجود ہیں جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب ہجرت کرکے مدین آئے تھے اور کنویں والا واقعہ پیش آیا تھا، یہ کنواں تقریباً شاہراہ سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر شہر میں موجود ہے، یہ وہی جگہ ہے جس کو قرآنِ مجید نے بھی بیان کیا ہے:

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۬ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٜ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ (القصص)

ترجمہ: اور جب وہ (موسیٰ علیہ السلام) مدین کے کنویں پر پہنچے تو اس پر لوگوں کے ایک مجمع کو دیکھا کہ وہ لوگ (کنویں سے پانی کھینچ کر اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے ہیں اور ان (پانی پلانے والوں میں) سے ایک طرف دو عورتوں کو دیکھا جو (اپنے) جانوروں کو روکے ہوئے کھڑی تھیں، تو اس (موسیٰ علیہ السلام) نے (ان دونوں عورتوں سے)

پوچھا کہ: تمھارا کیا حال ہے؟ ان دونوں (عورتوں) نے جواب دیا: جب تک (یہ) چرواہے (اپنے جانور پانی پلاکر) واپس نہ لے جاویں ہم (اس وقت تک اپنے جانوروں کو) پانی نہیں پلاسکتیں اور ہمارے ابا تو بہت بوڑھے ہیں۔

ایک ہی مکّے سے کام تمام

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں ہی جوان ہوئے تھے؛ لیکن پھر کچھ ایسے حالات پیش آگئے کہ ان کو فرعون کا محل چھوڑنا پڑا تھا۔

دراصل مصر کے قبطی (فرعونی) لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر بہت زیادہ ظلم کرتے تھے، ان کو ستایا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک قبطی ایک اسرائیلی آدمی کو ستا رہا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس منظر کو دیکھ لیا؛ لہٰذا آپ نے اپنی قوم کے اس آدمی کو ظلم سے بچانے کے لیے اس قبطی آدمی کو ایک مکّا مارا؛ لیکن اس کا کام تو وہیں تمام ہوگیا، قرآنِ پاک فرماتا ہے:

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۗ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۗ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ (القصص)

ترجمہ: اور (ایک دن) وہ (موسیٰ علیہ السلام) شہر میں ایسے وقت داخل ہوئے جب کہ وہاں (شہر) کے لوگ غفلت میں تھے، تو انھوں نے اس (شہر) میں دو آدمیوں کو دیکھا کہ دونوں آپس میں لڑ رہے ہیں، ایک (ان میں سے) ان (موسیٰ علیہ السلام) کی جماعت

(بنی اسرائیل) کا تھا اور دوسرا ان کی دشمن قوم (یعنی فرعونیوں) میں سے تھا، تو جو شخص ان کی جماعت کا تھا اس نے ان کی دشمن قوم کے شخص کے مقابلے میں ان (موسیٰ علیہ السلام) سے مدد مانگی تو موسیٰ (علیہ السلام) نے اس کو ایک مکا مارا، سو جس نے اس کا کام ہی تمام کر دیا تو (اس پر) انھوں نے (افسوس کرتے ہوئے) کہا: یہ تو شیطان کا ایک کام ہے، وہ تو یقیناً (آدمی کا) دشمن ہے، کھلم کھلا غلطی میں ڈالنے والا ہے ﴿۱۵﴾ موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کیا: اے میرے رب! یقیناً میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے، سو آپ مجھ کو معاف کر دیجیے، تو اللہ تعالیٰ نے ان (موسیٰ علیہ السلام) کو معاف کر دیا، یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ) سب سے زیادہ معاف کرنے والے، بہت زیادہ رحم کرنے والے ہیں ﴿۱۶﴾ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: اے میرے رب! چوں کہ آپ نے مجھ پر (اپنا) انعام کیا ہے، سو میں (آئندہ) کسی مجرم کا مددگار نہیں بنوں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس کے قتل کا کوئی ارادہ نہیں تھا، وہ خود فرماتے ہیں:

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ (الشعراء)

ترجمہ: موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: میں نے وہ (کام) اس وقت (ایسی حالت میں) کیا تھا کہ (وہ ایک مکے میں مرجائے گا اس کا) مجھے پتہ نہیں تھا۔

آج کے حالات کے اعتبار سے ایک اہم نکتہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے غلطی سے اس قبطی کا قتل ہو گیا، اس کے بعد دوسرے دن فرعون کے دربار میں مقدمہ پہنچا اور اِس بات کی تجویز پیش کی گئی کہ قاتل کو سزا دی جاوے؛ لیکن قاتل کون ہے وہ کسی کو معلوم نہیں تھا۔

دراصل بات یہ تھی کہ جب یہ قتل کا واقعہ پیش آیا تھا اس وقت وہاں صرف حضرت

موسیٰ علیہ السلام، قبطی (مقتول) اور وہ بنو اسرائیل کا (مظلوم) آدمی تھا؛ اس لیے یہ قتل کس نے کیا ہے وہ کسی کو بھی پتا نہیں تھا؛ چوں کہ اسرائیلی کے خاطر یہ کارروائی ہوئی تھی اس لیے وہ کسی کو اطلاع دینے والا نہیں تھا۔

لیکن فرعون کے درباری اسے ورغلانے لگے کہ: بنو اسرائیل ہمارے دشمن ہیں، یہ انھیں کی کارستانی لگتی ہے؛ مگر فرعون نے ان سے صاف انکار کر دیا کہ: جب تک واضح طور پر، ثبوت کے ساتھ کسی قاتل کا پتا نہیں چلے گا تب تک کسی کو سزا نہیں دی جاوے گی۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ فرعون جیسے ظالم بادشاہ میں بھی انصاف کی کچھ رمق تو تھی!

آج کے حکم رانوں کا حال

اس کے برخلاف آج حالت یہ ہے کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی، جو اصل مجرم ہوتے ہیں ان کو کنارے کر دیا جاتا ہے اور جو کمزور اور بے بس ہوتے ہیں ان کو خواہ مخواہ غلط مقدمات میں پھنسا دیا جاتا ہے اور طرح طرح سے ان پر ظلم کیا جاتا ہے۔

دوسرے دن کا واقعہ

پھر واپس دوسرے دن وہ اسرائیلی آدمی کسی قبطی کے ساتھ لڑنے لگا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر ان سے مدد مانگنے لگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعونی کو پکڑنے کے لیے آگے بڑھے تو اس اسرائیلی کو غلط فہمی ہوئی کہ آج مجھے مارنے آرہے ہیں؛ اس لیے اس کی زبان سے وہ بات نکل گئی، جس کو قرآنِ مجید نے ذکر کیا ہے:

فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ ۚ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُبِينٌ ﴿١٨﴾ فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَبْطِشَ بِالَّذِي

هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: سو صبح کے وقت وہ (موسیٰ علیہ السلام) ڈرتے ڈرتے شہر میں حالات کا جائزہ لے رہے تھے تو اتنے میں دیکھا کہ وہی جس نے کل ان (موسیٰ علیہ السلام) سے مدد مانگی تھی (آج پھر) وہی ان (موسیٰ علیہ السلام) کو مدد کے لیے پکار رہا ہے، تو موسیٰ (علیہ السلام) نے اس سے کہا: یقیناً تو ہی کھلم کھلا شریر آدمی ہے ﴿۱۸﴾ پھر جب اس (موسیٰ علیہ السلام) نے اس (فرعونی) کو پکڑنے کا ارادہ کیا جو ان دونوں کا دشمن تھا تب وہ (غلط فہمی میں گھبرا کر موسیٰ علیہ السلام کی جماعت کا آدمی) بول پڑا: اے موسیٰ! جس طرح تم کل ایک شخص کو قتل کر چکے ہو (آج) اسی طرح مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو، تمھارا جی یہی چاہتا ہے کہ تم زمین میں مار دھاڑ کرتے رہو اور صلح کرا دینے والے لوگوں میں سے تم نہیں ہونا چاہتے ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا مشورہ

جب فرعون اور اس کے درباریوں کو پتا چلا کہ اس قبطی کو قتل کرنے والے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہے تو انھوں نے دربار میں یہ فیصلہ صادر فرمادیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھایا جاوے۔ فرعون کے درباریوں میں سے ایک آدمی جو مسلمان ہو چکے تھے، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اِس بات کی اطلاع کرنے کے لیے شہر کے چھپے راستے سے دوڑتے ہوئے آئے اور کہنے لگے:

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۡ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۡ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: اور شہر کے (دور کے) کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا، کہنے لگا: اے موسیٰ! سردار لوگ تمھارے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں؛ تاکہ وہ تم کو قتل کر ڈالیں، سو تم (یہاں سے) نکل جاؤ، یقیناً میں تمھاری بھلائی چاہنے والوں میں سے ہوں ﴿۲۰﴾ سو وہ (موسیٰ) اس (شہر) سے ڈرتے ڈرتے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے نکلے، اس (موسیٰ) نے (دعا میں) کہا: اے میرے رب! مجھے ظالم لوگوں سے بچا لیجیے۔

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے خیر خواہ لوگ ہوتے ہیں جو ان سے مخلصانہ تعلق رکھتے ہیں، یہ بھی ایک نعمت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصر سے مدین کی طرف ہجرت

چناں چہ جب اس آدمی نے آکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سارے حالات سے باخبر کر دیا تو آپ فوراً مصر سے باہر نکل گئے اور آپ نے یہ دعا فرمائی:

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ (القصص)

ترجمہ: اور جب اس (موسیٰ علیہ السلام) نے مدین کی جانب رخ کیا تو اس (موسیٰ علیہ السلام) نے (دعا میں) کہا: امید ہے کہ میرے رب مجھے سیدھے راستے پر لے جاویں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے باہر نکلے تو ان کو خود کو بھی معلوم نہیں تھا کہ مجھے کہاں جانا ہے؟ لیکن ان کو اپنے رب سے یہ امید تھی کہ میرے رب مجھے سیدھے راستے پر لے جاویں گے۔

راستے میں آپ علیہ السلام کا تکلیفیں برداشت کرنا

تفسیر کی معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے نکلے تو کوئی

بات طے نہیں تھی کہ کہاں جانا ہے، بس! آپ چلتے ہی رہے، مسلسل آٹھ دن تک چلنے کے بعد مدین پہنچے تھے۔ آپ کے پاس کھانے کی کوئی چیز موجود نہیں تھی، درختوں کے پتے چبا چبا کر کھانے پڑتے تھے، جس کے نتیجے میں آپ کا پاخانہ بھی ہرا اور سوکھا نکلتا تھا، پہننے کے لیے پیروں میں جوتے بھی نہیں تھے، جس کی وجہ سے آپ کے پیروں میں چھالے پڑ گئے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین میں داخلہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اتنا تو معلوم تھا کہ مدین میں ہمارا خاندان ہے؛ کیوں کہ یہاں کے باشندے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لڑکے "مدین" کی اولاد تھی؛ مگر آپ کسی کو پہچانتے نہیں تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے: حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

چناں چہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں داخل ہوتے ہی اِس مبارک کنویں کے پاس آئے، یہاں آپ نے عجیب منظر دیکھا کہ شہر کے چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور دو جوان لڑکیاں ایک طرف کھڑی ہیں:

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۬ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ.

ترجمہ: اور جب وہ (موسیٰ علیہ السلام) مدین کے کنویں پر پہنچے تو اس پر لوگوں کے ایک مجمع کو دیکھا کہ وہ لوگ (کنویں سے پانی کھینچ کر اپنے جانورروں کو) پانی پلا رہے ہیں اور ان (پانی پلانے والوں میں) سے ایک طرف دو عورتوں کو دیکھا جو (اپنے) جانوروں کو روکے ہوئے کھڑی تھیں۔

ایک نبی کی شان یہ ہوا کرتی ہے کہ وہ اپنی امت کے ہر فرد کی خیر خواہی چاہتا ہے؛ چناں چہ اسی خیر خواہی کے مدِ نظر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لڑکیوں سے پوچھا:

قَالَ مَا خَطْبُكُمَا.

ترجمہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ: تمھارا کیا حال ہے؟

ان دونوں لڑکیوں کی پاک دامنی

ان دو لڑکیوں نے جو جواب دیا ہے، وہ ہماری قوم کی بیٹیوں اور بہنوں کو اپنے دل و دماغ میں نقش کر لینا اور لکھ لینا چاہیے:

قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ.

ترجمہ: ان دونوں (عورتوں) نے جواب دیا: جب تک یہ چرواہے (اپنے جانور پانی پلا کر) واپس نہ لے جاویں ہم (اپنے جانوروں کو) پانی نہیں پلا سکتیں۔

کہنے لگیں: یہ مرد ہیں، ہم لڑکیاں، ہم کیسے مردوں کی بھیڑ بھاڑ میں گھس جائیں؟ اس لیے ہم دونوں الگ جگہ کھڑی ہیں، جب یہ سارے چرواہے پانی پلا کر چلے جائیں گے اس کے بعد ہم اپنے جانوروں کو پانی پلائیں گی۔

سبحان اللہ! امت کے بھائی - بہنوں کو اللہ تعالیٰ ایسی پاک دامنی عطا فرماوے، جہاں مردوں کا مجمع ہو وہاں عورتیں نہ جاویں اور جہاں عورتوں کا مجمع ہو وہاں مرد نہ جاویں۔

لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ دونوں اتنی زیادہ پاک دامن تھیں تو پھر ان کو اپنے گھر ہی میں رہنا چاہیے تھا، یہاں کنویں پر لوگوں کے مجمع میں کیوں آئی تھیں؟ اس کا جواب آیتِ کریمہ کے اس حصے میں ہے:

وَاَبُوْنَا شَیْخٌ کَبِیْرٌ﴿۲۳﴾

ترجمہ: اور ہمارے ابا تو بہت بوڑھے ہیں۔

یعنی ہمارے گھر میں کوئی مرد ہی نہیں ہے، صرف ہمارے بوڑھے ابا ہیں؛ لیکن وہ یہاں نہیں آسکتے؛ اس لیے مجبوراً ہمیں یہاں آنا پڑا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان کی بکریوں کو پانی پلانا

یہ چرواہے بڑے مطلب پرست تھے، جب اپنی بکریوں کو پانی پلا کر فارغ ہو جاتے تھے تو اس کنویں پر ایک پتھر کی بھاری چٹان رکھ دیا کرتے تھے؛ تاکہ دوسرا کوئی آدمی آکر اپنے جانوروں کو پانی نہ پلا سکے۔ اب بے چاری یہ لڑکیاں اکیلی تو اس کو ہٹا نہیں سکتی تھیں؛ اس لیے کنویں کے اردگرد گھڑوں میں جو پانی جمع رہتا تھا وہ پانی اپنی بکریوں کو پلا کر واپس چلی جاتی تھیں۔

مفسرین نے یہ بات ذکر کی ہے کہ وہ چرواہے جس چٹان کو اس کنویں پر رکھ دیتے تھے وہ اتنی بھاری تھی کہ دس آدمی مل کر بھی اس کو ہٹا نہیں سکتے تھے؛ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اکیلے اس چٹان کو ہٹا کر ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا۔

پانی پلانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طرزِ عمل

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی بکریوں کو پانی پلانے سے فارغ ہو گئے تو اس کے بعد آپ کے طرزِ عمل کو قرآنِ مجید بیان فرماتا ہے:

فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ.

ترجمہ: چناں چہ (یہ سن کر) اس (موسیٰ علیہ السلام) نے ان دونوں (عورتوں) کے

لیے (جانور کو) پانی پلا دیا، پھر (وہاں سے) ہٹ کر وہ (موسیٰ علیہ السلام) ایک سایے کی جگہ میں چلے گئے۔

خدمت کرنے والوں کے لیے ایک درسِ عبرت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اِس طرزِ عمل میں خدمت اور رفاہی کام کرنے والوں (cherity trust) کے لیے ایک بہت بڑا سبق ہے کہ جو کام بھی کیا جاوے اخلاص اور اللہ کی رضا مندی کے لیے کیا جاوے، نیز اس کا کوئی بدلہ اور معاوضہ نہ لیا جاوے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام آٹھ دن سے بھوکے تھے، اگر آپ چاہتے تو ان لڑکیوں سے معاوضہ طلب کر سکتے تھے یا کم سے کم اتنا تو کہہ سکتے تھے کہ بہن! میں بہت دنوں سے بھوکا ہوں، اگر آپ لوگوں کے پاس کوئی کھانے کی چیز ہو تو میرے لیے انتظام کر دیجیے! آپ نے ان سے اس طرح کا کوئی مطالبہ نہیں کیا؛ بلکہ ایک طرف سایے میں جا کر بیٹھ گئے۔

مدین میں جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کنواں بتلایا جاتا ہے اِس وقت تو یہاں قریب میں کوئی درخت موجود نہیں ہے، ممکن ہے کہ اس زمانے میں یہاں کوئی درخت رہا ہو یا پھر سایے سے کوئی دوسری چیز کا سایہ مراد لیا گیا ہو۔

مدین کا دوسرا کنواں

یہاں مدین میں ایک دوسرا بھی کنواں ہے، جہاں لکھا ہے کہ: اس کا پانی علاقے والے، حاجیوں اور تاجروں کے استعمال کے لیے ہے، یہ نبطی دور کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں مدین میں جو دوسرا کنواں تھا اسی

پر یہ حوض بنا دیا گیا ہو اور اس کنویں کے اطراف میں بہت سارے درخت بھی ہیں، ہو سکتا ہے کہ یہاں پانی پلانے کے بعد کسی درخت کے نیچے حضرت موسیٰ علیہ السلام بیٹھ گئے ہو، نیز سعودیہ عربیہ کے آثارِ قدیمہ کے شعبے کی طرف سے یہ بورڈ لگے ہوئے ہیں؛ گویا انھوں نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین والا کنواں ہے۔

نبی کی بے مثال عفت اور بے غرضی

ایک بات میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہ ان سے کوئی بات چیت کی کہ تم کیا کرتی ہو؟ کہاں رہتی ہو؟ کس کی لڑکی ہو؟

اور نہ ان کا پتا اور (whatsapp number) مانگا۔

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام کتنے پاک دامن تھے!

جب کہ آج خدمت کے عنوان سے دنیا میں کیا کیا ہو رہا ہے، وہ سب حالات ہمارے سامنے ہیں۔

بہر حال! آپ علیہ السلام سایے میں چلے گئے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی:

رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: اے میرے رب! آپ میرے لیے جو نعمت بھی اتارے میں اس کا محتاج ہوں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی بیٹیوں سے سوال

حضراتِ مفسرین تحریر فرماتے ہیں کہ: ان لڑکیوں کا روزانہ اپنے گھر جانے کا ایک وقت مقرّر تھا، آج جب وہ فارغ ہو کر جلدی اپنے گھر پہنچ گئیں تو فوراً ان کے ابا

نے ان سے سوال کیا کہ: آج تم کیوں جلدی آگئیں؟

میں اکثر یہ کہا کرتا ہوں کہ: والدین کو اپنے بچوں کی تمام نقل وحرکت پر برابر نظر رکھنی چاہیے کہ کہاں جاتے ہیں؟ کس کے ساتھ جاتے ہیں؟ کب جاتے ہیں؟ اور کب واپس آتے ہیں؟

چناں چہ ان لڑکیوں نے گھر جا کر اپنے والد کو پورا واقعہ سنایا کہ: ایک پردیسی نوجوان آیا تھا، اس نے اس طرح ہماری مدد کردی۔

حضرت شعیب علیہ السلام بہت ہی شریف اور مہمان نواز آدمی تھے، انھوں نے اپنی لڑکیوں سے کہا کہ: جاؤ! اس نوجوان کو میرے پاس بلا کر لاؤ!

حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکی کی حیا

حضرت شعیب علیہ السلام نے جب اپنی ایک لڑکی کو بلانے بھیجا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے کے لیے آئی، وہ آتے وقت ایسی شرم وحیا سے چل رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حیا کا تذکرہ اپنے کلامِ پاک میں فرمایا:

فَجَآءَتْهُ إِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ.

ترجمہ: سو تھوڑی دیر بعد ان دو (لڑکیوں) میں سے ایک (لڑکی) شرم وحیا سے چلتی ہوئی اس (موسیٰ علیہ السلام) کے پاس آئی۔

اللہ تعالیٰ امت کی ماں، بہنوں کو ایسی حیا والی چال چلنے کی توفیق عطا فرماوے، آمین!

اس کے بعد جب یہ لڑکی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی، اس کی آستین بڑی تھی، اس میں اس نے اپنا منہ چھپا لیا اور کہنے لگی:

قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا.

ترجمہ: وہ (لڑکی) کہنے لگی: میرے ابا تم کو بلا رہے ہیں؛ تا کہ تم نے جو ہمارے لیے (جانوروں کو) پانی پلایا اس کا آپ کو انعام دیویں۔

دیکھو! یہاں اس لڑکی نے ایسا نہیں کہا کہ: میں بلا رہی ہوں؛ بلکہ یوں کہا: میرے ابّا آپ کو بلا رہے ہیں؛ تا کہ فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔

اِس سے معلوم ہوا کہ کبھی کسی لڑکی کو بات چیت کرنے کی نوبت آ جاوے تو والدین کے حوالے سے بات چیت کرنی چاہیے؛ تا کہ فتنہ نہ ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کمالِ احتیاط

مفسرین لکھتے ہیں کہ: وہ لڑکی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے گھر لے جانے لگی تو وہ آگے آگے چل رہی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے، راستے میں ایک مرتبہ زور سے ہوا چلی، جس کے نتیجے میں اس لڑکی کا کپڑا اڑ جانے کی وجہ سے جسم کا کچھ حصہ (پنڈلی) کھل گیا؛ لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سے فرمانے لگے: بہن! تو میرے پیچھے پیچھے چل؛ تا کہ تیرے جسم پر میری نظر نہ پڑے۔

اس کے بعد وہ پیچھے چل رہی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے آگے چل رہے تھے، جس جگہ مڑنا ہوتا تھا وہ کنکری اٹھا کر اس طرف پھینک دیا کرتی تھی، اس طرح وہ ان کے گھر پہنچے۔

حضرت شعیب علیہ السلام سے بات چیت

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اپنا پورا واقعہ بیان کیا، اس کو سن کر

حضرت شعیب علیہ السلام ان سے فرمانے لگے:

فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَۙ قَالَ لَا تَخَفْٙ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴿۲۵﴾

ترجمہ: سو جب وہ (موسیٰ علیہ السلام) اس (لڑکی کے ابا) کے پاس پہنچے اور ان کے سامنے تمام حالات بیان کیے تو اس (لڑکی کے ابا) نے کہا کہ: تم (اب) ڈرومت، تم ظالم لوگوں سے بچ کر آئے ہو۔

اس کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام نے کھانے کے لیے آپ سے بہت زیادہ اصرار کیا؛ لیکن آپ نے یہ سوچ کر کہ کہیں یہ میرے پانی پلانے کے کام کا بدلہ نہ ہو جاوے، کھانے سے منع فرما دیا؛ لیکن حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا: ایسی بات نہیں ہے، میں تو آنے والے مہمانوں کی مہمان نوازی کرتا ہی رہتا ہوں، اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے دستر خوان پر کھانے کے لیے بیٹھے۔

لڑکی کی اپنے والد سے ایک پیشکش

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کھانے وغیرہ سے فارغ ہو گئے، تو دو بہنوں میں سے ایک بہن کہنے لگی:

یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ٘ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ﴿۲۶﴾

ترجمہ: اے میرے ابا جان! آپ اس شخص کو اجرت پر رکھ لیجیے؛ اس لیے کہ اچھا آدمی جس کو آپ اجرت پر رکھنا چاہیں وہ ہے جو طاقت والا (بھی) ہو اور امانت دار (بھی) ہو۔

خادم کیسے ہونے چاہیے؟

خادم ایسا ہونا چاہیے کہ جو طاقتور ہو اور ساتھ ہی امانت دار بھی ہو، ایسا نہ ہو کہ خادم ہی بے چارہ ایسا ہو کہ اسی کی خدمت کرنی پڑے! یہ بڑی غور کرنے جیسی بات ہے کہ قرآنِ پاک میں خادم کا تذکرہ ہے، وہاں اِن دو صفات کا بھی تذکرہ آیا ہے۔

اِن دونوں بہنوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طاقت کا اندازہ تو اس بات سے لگا لیا تھا کہ جو چٹان دس آدمی ایک ساتھ نہیں اٹھا سکتے، اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اکیلے اٹھا لی تھی۔

اور آپ نے جب اس لڑکی سے کہا تھا کہ: میں آگے چلوں گا! تو میرے پیچھے چل، اس سے آپ کی امانت داری وعفت کا پتا چل گیا تھا۔

انسانوں کی صحیح پہچان یہ بھی ایک فن ہے

اِس دنیا میں کچھ لوگ ایسے گزرے ہیں جو دوسرے انسانوں کو پہچاننے میں بڑے ماہر ہوا کرتے تھے، ان میں حضرت شعیب علیہ السلام کی یہ دو لڑکیاں بھی تھیں، جنھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فوراً پہچان لیا تھا کہ یہ آدمی بڑا طاقتور اور امانت دار ہے۔

انسانوں کی صحیح پہچان؛ یہ بھی مستقل ایک فن ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے کچھ مخصوص بندوں کو عنایت فرماتے ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی فراست

جب لڑکیوں نے اپنے والد سے یہ پیش کش کی کہ ابّا جان! اِن کو ہمارے گھر ملازم رکھ لیجیے، لڑکیوں کے والد اپنی لڑکیوں سے زیادہ ہوشیار نکلے کہ گھر میں جوان لڑکیاں

ہوں اور ان کے ساتھ جوان ملازم ہو یہ بات مناسب نہیں ہے؛ چناں چہ اب ان کے ابّا نے ایک پیش کش کی:

قَالَ اِنِّیٓ اُرِیْدُ اَنْ اُنْکِحَکَ اِحْدَی ابْنَتَیَّ ھٰتَیْنِ عَلٰٓی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ.

ترجمہ: اس (لڑکی کے ابا) نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میری ان دولڑکیوں میں سے ایک کا تمھارے ساتھ نکاح کرادوں، (نکاح کی) شرط یہ رہے گی کہ تم میرے یہاں آٹھ سال اجرت پر کام کرو۔

اِس کو کہتے ہیں باپ کی فراست اور سمجھ داری کہ خود شادی کی آفر کر دی۔

نوٹ: گھر میں جوان ملازم یا ملازمہ نہ رکھنا بہتر ہے، اگر ضرورت ہو تو بہت احتیاط سے کام لیا جاوے۔

رشتہ کرتے وقت دین داری دیکھنی چاہیے

یہاں ایک بات قابلِ غور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت پردیسی مسافر تھے، رہنے کے لیے گھر نہیں تھا، دولت نہیں تھی؛ لیکن ان کی طاقت، امانت داری اور دین داری دیکھ کر لڑکی کے والد نے از خود شادی کی آفر کر دی، اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ لڑکی کا باپ خود شادی کی آفر کر سکتا ہے۔ اسی طرح حدیث شریف میں بھی ایسے واقعات موجود ہیں۔

نیز دولہا اور دلہن کو پسند کرنے میں ہم مال و دولت نہ دیکھیں؛ بلکہ دین داری دیکھیں، بخاری شریف کی روایت میں بھی ہے کہ:

فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّینِ تَرِبَتْ یَدَاکَ.

اگر تم دین داری دیکھ کر شادی کروگے تو کامیاب ہوجاؤگے۔

اخلاص کی برکت

سبحان اللہ! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اخلاص کی برکت یہ ہوئی کہ ان کو پردیس میں کام بھی مل گیا، شادی بھی ہوگئی اور رہنے کے واسطے مکان کا بھی انتظام ہوگیا۔

میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ: ان کو اس کی برکت سے روٹی، اوٹی (گھر) اور چوٹی (بیوی) (ચોટલો)، (ઓટલો)، (રોટલો) تینوں چیزیں ایک ساتھ حاصل ہوگئیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ہر عمل میں اخلاص پیدا فرماوے، آمین!

یہ شیخ کون تھے؟

قرآنِ مجید میں مدین اور شیخ کا تذکرہ ملتا ہے، اِس بارے میں بہت سے مفسرین کی رائے یہ ہے کہ "شیخِ مدین" سے مراد: اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام ہیں اور وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر ابا ہیں۔

لیکن امام ابن کثیرؒ کی رائے یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام الگ شخصیّت ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر ابا شیخِ مدین الگ شخصیت ہیں۔

خسر ابا کا داماد کو عجیب ہدیہ

حضراتِ مفسرین نے نقل کیا ہے کہ: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح ہوگیا تو ان کے خسر نے اپنے داماد کو کچھ ہدیہ وتحفہ دینا چاہا، ان کے گھر میں بہت ساری متبرک لکڑیاں تھیں، انھوں نے اپنی لڑکی سے کہا: بیٹا! ایک عصا لے آؤ اور اپنے شوہر کو ہدیہ میں دے دو؛ چناں چہ ان کی بیٹی جب لکڑی لینے اس کمرے میں گئی تو اس کا ہاتھ اس بابرکت لکڑی پر پڑا جو اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت آدم علیہ السلام کی تھی۔

بعض روایت میں ہے کہ وہ عصا حضرت آدم علیہ السلام جنّت سے لائے تھے۔

قرآنِ مجید میں جس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا تذکرہ ہے، اس کے متعلق بعض مفسرین کی ایک رائے یہ ہے کہ یہ وہی عصا ہے جو نکاح کے موقع پر خسر ابا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیا تھا۔

میں لطیفے کے طور پر کہا کرتا ہوں کہ: آپ علیہ السلام کے خسر ابا کا کیا کہنا! نکاح کے موقع پر ہدیہ میں عصا دے رہے ہیں، آج کے زمانے میں کون یہ چیز دینا پسند کرے گا؟ بلکہ دینے سے پہلے یہ سوچے گا کہ کہیں یہ عصا میری بیٹی پر ہی نہ چل جاوے!

مدین سے مصر واپسی

نکاح کے بعد آپ علیہ السلام بہت اچھے طریقے سے حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر رہنے لگے، ان کی خدمت کرنے لگے اور ان کی بکریاں چرانے لگے۔

اِس سے معلوم ہوا کہ داماد مستقل طور پر اپنے سسرال میں رہائش اختیار کر سکتا ہے، یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔

پھر جب دس سال مکمل ہو گئے تو آپ نے اپنے خسر ابّا سے عرض کیا کہ: میری ماں اور بہن مصر میں ہیں، مجھے ان کی بہت یاد آ رہی ہے؛ لہٰذا آپ مجھے جانے کی اجازت دے دیجیے، حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو اجازت دے دی؛ چناں چہ آپ اپنی بیوی ’’صفورا‘‘ کو لے کر مدین سے مصر کی جانب روانہ ہو گئے، مصر جاتے وقت راستے میں طور پہاڑ پر وہ مشہور واقعہ پیش آیا جو قرآنِ مجید میں کئی جگہوں میں مذکور ہے۔

اس کی مکمل تفصیل ہماری کتاب ’’دیکھی ہوئی دنیا، جلد: ۳‘‘ مصر کے سفرنامے میں پڑھ لیجیے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کو مدین والوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا جانا

اللہ تعالیٰ نے اِن مدین والوں کی طرف اپنے جلیل القدر نبی حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا، قرآنِ مجید میں ہے:

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ۔

ترجمہ: اور مدین والوں کی طرف ان کے بھائی شعیب کو (نبی بنا کر) بھیجا تو اس (شعیب علیہ السلام) نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا لقب ''خطیب الانبیاء'' ہے، آپ ان انبیا میں سے تھے جو بہت بڑے مقرر تھے، اللہ تعالیٰ کی رضا اور محبّت میں بہت زیادہ رویا کرتے تھے۔

نوٹ: عادِ اولی کی طرح مدین والے بھی فنِ تعمیر میں بہت زیادہ ماہر تھے، انھوں نے بھی عجیب و غریب طریقے سے پہاڑوں کو تراش کر اونچے اور عالی شان گھر تعمیر کیے تھے۔

اس قوم کی کچھ برائیاں

اس قوم میں کچھ خرابیاں تھیں:

(۱) پہلی برائی یہ تھی کہ یہ لوگ بت پرستی کیا کرتے تھے۔

(۲) دوسری خطرناک برائی یہ تھی کہ یہ لوگ ناپ تول میں کمی کیا کرتے تھے۔

(۳) تیسری برائی یہ تھی کہ یہ لوگ معاملات میں بہت زیادہ جھوٹ بولتے تھے۔

قرآنِ کریم میں ہے:

وَيٰقَوۡمِ اَوۡفُوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ﴿۸۵﴾

ترجمہ: اور اے میری قوم! تم ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو اور تم لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو اور تم زمین میں فساد مچاتے مت پھرو۔

ہمیں بھی اس چیز سے بچنا چاہیے

ہمیں بھی اِن چیزوں سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

آج کل تو ہر چیز میں ناپ تول کے جدید آلات ایجاد ہوئے ہیں، جیسے: لائٹ کا میٹر، گیس کا میٹر، پانی کا میٹر، اسی طرح دل کی دھڑکن ناپنے والے آلات، پیٹرول پمپ پر میٹر، بخار، شوگر، پریشر وغیرہ ناپنے والے آلات، حاصل یہ کہ جس چیز کو ناپ کر اس کا حساب کیا جاتا ہے اس کو صحیح رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ناپ تول میں کمی کرنا بہت بڑا گناہ ہے، جب کہ آج کل ناپ تول میں کمی کرنے کو لوگ اپنی فنی مہارت سمجھتے ہیں۔

اس قوم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب

جب انھوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب نازل فرمایا، قرآنِ پاک میں ہے:

فَلَمَّا رَاَوۡهُ عَارِضًا مُّسۡتَقۡبِلَ اَوۡدِيَتِهِمۡ ۙ قَالُوۡا هٰذَا عَارِضٌ مُّمۡطِرُنَا ؕ بَلۡ هُوَ مَا اسۡتَعۡجَلۡتُمۡ بِهٖ ؕ رِيۡحٌ فِيۡهَا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَىۡءٍۭ بِاَمۡرِ

رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا یُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: پھر جب اُن لوگوں نے اس (عذاب) کو بادل کی شکل میں اپنے میدانوں کی جانب آتا ہوا دیکھا تو کہنے لگے کہ: یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا، ایسی بات نہیں، یہ تو وہ (عذاب) ہے جس کو تم نے جلدی مانگا تھا، ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے ﴿۲۴﴾ وہ (آندھی) ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے اکھاڑ کر پھینک رہی تھی، پھر وہ لوگ ایسے ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا، مجرم لوگوں کو ہم اسی طرح عذاب دیا کرتے ہیں۔ (سورۂ احقاف)

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا شُعَیْبًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ (هود)

ترجمہ: اور جب ہمارا (عذاب کا) حکم آپہنچا تو ہم نے شعیب (علیہ السلام) کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے ان کو اپنی (خاص) رحمت سے بچا لیا اور ظالموں کو ایک بھیانک آواز نے پکڑ لیا، سو وہ (ظالم لوگ صبح کو) اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے، (وہ ایسے ہو گئے) جیسے کبھی ان (گھروں) میں بسے ہی نہیں تھے، سنو! مدین والے (اللہ تعالیٰ کی رحمت سے) ایسے ہی دور کیے گئے جیسے ثمود کے لوگ دور کیے گئے تھے۔

الغرض! اِس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب میں مبتلا فرما کر تباہ و برباد کر دیا۔

صدیاں گزر جانے کے بعد آج بھی انھوں نے پہاڑوں میں جو مکان تراش کر بنائے تھے، اس جگہ پتھروں کی بڑی بڑی چٹانیں نظر آتی ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب کے وقت کتنی زور سے زلزلہ آیا ہوگا!

ہم نے دوسری جگہیں بھی زلزلہ والے علاقے دیکھے ہیں، اللہ ہی ہماری حفاظت فرماوے! اور ناپ تول میں کمی کرنے سے ہماری مکمل حفاظت فرماوے، چاہے جس شکل میں بھی ہو، آمین!

آج معاملات میں جھوٹ بہت عام ہے

آج معاملات میں جھوٹ بولنا بہت ہی عام ہو چکا ہے، لوگ اپنا الّو سیدھا (اپنی بات ثابت) کرنے کے واسطے جھوٹی قسمیں بھی کھالیا کرتے ہیں، غلط دستاویز بنالیتے ہیں، مرے ہوئے کو زندہ ثابت کرتے ہیں اور زندوں کو مرا ہوا بتلا دیتے ہیں۔

یہ سب وہ گناہ ہیں جن کی وجہ سے ایسی مال دار اور طاقتور قوم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا ہے۔

سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

اِس وقت ہم خیبر کے راستے میں "حِسمیٰ" نامی جگہ پر ہے، یہ وہ جگہ ہے جہاں جمادی الاخری سن ۶ ہجری میں سرّیہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھیجا گیا۔

جس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ قیصر (شاہِ روم) کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط پہنچا کر واپس مدینہ منورہ آرہے تھے، قیصر نے ان کو کچھ مال اور سامان بھی ہدیہ دیا تھا؛ چناں چہ وہ جب "مقامِ حسمیٰ" پر پہنچے تو "الھُنَید بن عارض" نامی شخص نے "قبیلہ جُذام" کے کچھ لوگوں کے ساتھ مل کر ڈاکہ ڈالا اور سب مال وسامان چھین لیا۔

جب حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پورا واقعہ بیان فرمایا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو پانچ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

کی جماعت کے ساتھ ان کی طرف روانہ فرمایا، جن میں حضرت دحیہ کلبی ﷺ بھی موجود تھے، ان حضرات نے ان پر چھاپا مارا، جس کے نتیجے میں بہت سارا مال ومتاع اور کچھ قیدی مسلمانوں کے ہاتھ لگیں، اس طرح صحابۂ کرام ﷺ صحیح، سالم مدینہ واپس آگئے۔

اس کے بعد قبیلۂ جذام کے ایک شخص ''زید بن رفاعہ'' جو مسلمان ہو گئے تھے، وہ ان کے قبیلے کا مال واپس لینے اور قیدیوں کو چھڑانے کی سفارش کے واسطے اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے؛ چناں چہ حضور ﷺ نے ان کا سارا مال اور قیدی واپس کروا دیے۔

وادیٔ قُریٰ

منگل کے دن شام کا وقت ہے، ہم اِس وقت وادیٔ قریٰ میں موجود ہیں، جس کو آج کل ''العلیٰ'' بھی کہا جاتا ہے، یہاں ایک پرانے طرز کی مسجد بھی بنی ہوئی ہے، اِس جگہ کے بارے میں مشہور ہے کہ حضور ﷺ نے تبوک جاتے وقت یہاں نماز پڑھی تھی، ''العلیٰ'' کے قدیم علاقے کو ''الدیرہ'' کہا جاتا ہے۔

چناں چہ حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے فتحِ خیبر کے بعد اسی وادیٔ قریٰ کی جانب رخ کیا تھا، یہاں بھی زیادہ تر یہود آباد تھے، آپ ﷺ نے ان کو جا کر پہلے اسلام کی دعوت دی؛ لیکن انھوں نے قبول نہیں کیا اور جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔

آپ ﷺ کی حکمتِ عملی

ان میں سے ایک آدمی جنگ کے لیے نکلا تو حضرت زبیر ﷺ نے اس کو قتل کر دیا، دوسرا آدمی نکلا اس کو بھی قتل کر دیا، پھر تیسرا آدمی آیا حضرت علی ﷺ نے اس کا کام تمام کر

دیا، اس طرح ان کے گیارہ آدمی مار دیے گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمتِ عملی کا کیا کہنا کہ جیسے جیسے ان کے آدمی قتل ہوتے گئے آپ نے ہر مرتبہ ان کو ایمان کی دعوت پیش کی، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں جتنی بھی نماز ادا کی، ہر ہر نماز کے وقت ایمان کی دعوت دی۔

دوسرے دن صبح ہوتے ہی اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتح نصیب فرمائی اور آپ کو مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ یہاں کے یہود نے بھی یہی پیش کش کی کہ ہمارے ساتھ بھی خیبر کے یہود کی طرح معاملہ کیا جاوے اور ہم کو ہماری زمین پر باقی رکھا جاوے؛ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو قبول فرمالیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا وجہ جنگ کو پسند نہیں فرماتے تھے

اس جگہ کے قریب ''تیما'' نامی علاقہ ہے، یہاں کے یہود نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ماتحتی میں رہ کر جزیہ ادا کرنا پسند کیا۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا وجہ بالکل جنگ کو پسند نہیں فرماتے تھے؛ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ لوگ دنیا میں بھی چین وسکون سے رہیں اور ایمان لاکر، اللہ کی اطاعت کر کے آخرت میں بھی چین وسکون سے رہیں۔

خیبر کے راستے میں ابورافع کے قتل کی جگہ

آج منگل کا دن ہے، مغرب کا وقت ہو چکا ہے، ہم اِس وقت خیبر کے راستے میں جہاں ''ابورافع یہودی'' کا قتل ہوا تھا اس جگہ کے قریب ہیں۔

یہ ابورافع نامی یہودی بڑا مال دار، اسلام اور مسلمانوں کا بہت بڑا دشمن تھا، ساتھ

ہی لوگوں کو مسلمانوں سے دشمنی کرنے پر اور جنگ کرنے پر ابھارتا رہتا تھا۔

ابو رافع کا قتل

ابو رافع اسلام کی دشمنی میں کعب بن اشرف کا مددگار تھا، اس کا نام عبداللہ یا سلاّم بن ابی الحقیق تھا جو امّ المؤمنین حضرت صفیّہ کے پہلے شوہر کا بھائی تھا، یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دشمنی میں بہت آگے تھا۔

قبیلۂ خزرج کے نوجوانوں کی درخواست

کعب بن اشرف کو جہنّم پہنچانے کی سعادت قبیلۂ اوس کے حصّے میں آئی تھی، کچھ ایسا ہی کام قبیلۂ خزرج کے لوگ بھی کرنا چاہتے تھے۔ آخر کار ان کی نظر ابو رافع پر ٹھہری۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لے کر حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ، مسعود بن سنان رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ، ابو قتادہ اور خزاعی بن اسود رضی اللہ عنہ نے اس کام کو انجام دینے کی ذمے داری لی۔

انھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر اس چیز کی اجازت چاہی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی اور حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر بنا کر روانہ فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کی چالاکی

جب یہ لوگ خیبر پہنچے تو شام کا وقت تھا، حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ: میں کسی بھی بہانے سے اس قلعے میں گھس جاؤں گا، وہ قلعے کے دروازے کے پاس جا کر اس طرح بیٹھ گئے جیسے کوئی اپنی حاجت پوری کرنے بیٹھا ہو،

دربان نے سمجھا کہ اپنا ہی آدمی ہے؛ اس لیے جب دروازہ بند کرنے کا وقت آیا تو آواز دی کہ اندر آ جاؤ، یہ سنتے ہی یہ قلعے میں داخل ہو گئے اور لوگوں میں شامل ہو گئے۔

ابورافع بالا خانہ (گھر کے اوپر والے حصے میں رہتا تھا) اور دیر رات تک وہ مجلس جمائے بیٹھا رہتا تھا، جب اس کی مجلس ختم ہوگئی تو دربان نے تمام دروازے بند کر دیے اور چابیوں کو ایک کونے میں لٹکا کر خود بھی سو گیا۔

ابورافع کا کام تمام

حضرت عبداللہ بن عتیک ﷺ نے دربان کو غافل پایا تو وہ چابیاں اٹھا لی اور اس کے ذریعے تمام دروازے کھولتے گئے اور ہر دروازے کو اندر سے بند کر دیتے؛ تا کہ دوسرا کوئی آدمی اندر داخل نہ ہو سکے۔

آخر وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں ابورافع سو رہا تھا؛ لیکن اندھیرے کی وجہ سے وہ دکھائی نہیں دے رہا تھا، انھوں نے آواز دی: ابورافع! جواب ملا: کون ہے؟ حضرت عبداللہ ﷺ نے آواز کی جانب تلوار سے وار کیا؛ مگر وہ ٹھیک سے نہیں ہو سکا۔

چناں چہ ابورافع شور مچانے لگا، کچھ وقت ہوا تو آواز بدل کر پوچھا: یہ شور کیسا ہے؟ ابورافع نے جواب دیا کہ: کوئی میرے کمرے میں گھس گیا ہے اور مجھ پر حملہ کر گیا ہے، اب حضرت عبداللہ ﷺ آگے بڑھے اور اس کے پیٹ میں تلوار گھونپ دی جو آر پار ہو گئی۔

حضرت عبداللہ بن عتیک ﷺ کی پنڈلی ٹوٹ گئی

وہ فرماتے ہیں کہ: اس کے بعد میں فوراً دروازے کھولتے ہوئے نیچے اترا، جب

آخری سیڑھی پر پہنچا تو سمجھا کہ زمین آ گئی ہے، آگے بڑھا تو اوپر سے نیچے گرا اور میرے پاؤں میں چوٹ آ گئی۔

میں نے عمامہ نکال کر اپنے پاؤں پر باندھ لیا اور قلعے سے باہر نکل کر ساتھیوں کے پاس پہنچ گیا، میں نے ان سے کہا کہ: تم جاؤ اور اللہ کے رسول ﷺ کو یہ خوش خبری سنا دو، میں صبح اس کی موت کی خبر سن کر آؤں گا، جب صبح کے وقت مرغ نے بانگ دی تو ایک آواز لگانے والے نے آواز لگائی: کسی نے ابورافع تاجرِ حجاز کو قتل کر دیا ہے۔

یہ سن کر خوشی خوشی میں مدینہ آیا، حضور ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے میرے پیر پر اپنا لعاب لگایا تو وہ پیر بالکل ٹھیک ہو گیا۔ (از: سیرتِ احمدِ مجتبی، ج:۲، ص:۲۸۲)

سریہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

شوال سن ۶ ہجری میں سریہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ''اسیر بن زارم یہودی'' کی طرف بھیجا گیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ جب ابورافع کا قتل ہو گیا تو اس کی جگہ اسیر بن زارم کو امیر بنایا گیا، وہ بھی غطفان اور دوسرے قبائل کو جنگ کے لیے اکسایا کرتا تھا۔

جب حضور ﷺ کو پتا چلا تو آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تین آدمی حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجے، جب وہ لوگ مکمل حالات معلوم کر کے واپس آ گئے تو آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تیس آدمی بھیجے۔

انھوں نے اس کے پاس جا کر یہ لالچ دی کہ رسول ﷺ تجھے خیبر کا عامل بنانا چاہتے ہیں؛ لہذا وہ اس لالچ میں آ گیا اور عامل بننے کے لیے ان کے ساتھ مدینہ کی طرف چل پڑا، اب مسلمان پیدل تھے تو تیس یہودی بھی ساتھ چلنے لگے، ہر مسلمان ایک یہودی کے پیچھے سوار ہو گیا۔

جب یہ لوگ ''قرقرہ ثباۃ'' کے قریب پہنچے تو اسیر اس بات سے پچھتایا اور اس نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا، تو انھوں نے اس سے کہا: تو بدعہدی کر رہا ہے۔

انھوں نے موقع پا کر اسے قافلے سے الگ کیا اور تلوار سے حملہ کر کے اس کی پنڈلی کاٹ دی، وہ اونٹ سے گر پڑا، اس نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے سر پر لاٹھی ماری جس سے ان کا سر زخمی ہو گیا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے ان کے ساتھیوں پر حملہ کر کے ایک آدمی کے علاوہ سب کو ختم کر دیا۔

''حاشی باشا'' میں مجلسِ طعام

ہم جس وقت خیبر شہر میں داخل ہو رہیں تھے، اس وقت عشا کی اذان ہو رہی تھی، ہم نے ایک مسجد میں با جماعت عشا کی نماز ادا کی، اس کے بعد مشورے سے یہ بات طے ہوئی کہ ''حاشی باشا'' میں آج رات کا کھانا کھایا جاوے، ''حاشی باشا'' سعودیہ عربیہ میں اونٹ کے گوشت سے بننے والی مختلف چیزوں کا ایک مشہور ریسٹورنٹ ہے۔

چناں چہ ہم اس نیت سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے صحابہ بکثرت اونٹ کا گوشت استعمال فرماتے تھے، ہم بھی اس کو تناول فرمائیں گے، اس ریسٹورنٹ میں داخل ہوئے۔ ہمارے بلاد میں اونٹ کا گوشت کم یاب ہے!

یوتیوب چینل کی وجہ سے پہچان

جب ہم کھانا کھانے سے فارغ ہو گئے اور ہاتھ دھونے کے لیے آگے بڑھ رہیں تھے کہ اچانک ہوٹل کے اسٹاف میں سے ایک آدمی ہماری طرف تیزی سے آگے بڑھا

اورآ کر ہم سے ملاقات کی، وہ بڑے غور سے مفتی امیر معاویہ صاحب کو دیکھنے لگا! اس کے بعد وہ اچانک ان کے گلے لگ گیا اور کہنے لگا: آپ وہی قاسمی صاحب ہو! جس کا مشہور یوتیوب چینل ہے! پھر انھوں نے ہمارے ساتھ بڑا اکرام کا معاملہ کیا۔

چوں کہ ان کا یہ چینل، تعلیم وتدریس کے مختلف کام انجام دیتا ہے، اس کی وجہ سے وہ ان کو جانتے تھے۔

خیبر میں رات کا قیام

منگل کے دن دیر رات ہم خیبر پہنچ گئے تھے، رات میں خیبر کی ایک مسجد میں قیام کیا، یہاں "حَيُّ الْغَزَوات" نامی محلے میں ایک بڑی عالی شان مسجد ہے، عام طور پر ان علاقوں میں مسجدوں کو رات میں بند کر دیا جاتا ہے؛ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ یہ مسجد رات میں بھی کھلی تھی۔ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ اس مسجد کو حاجیوں کے آرام وقیام کے واسطے رات میں بھی کھلا رکھا جاتا ہے، یہاں کے امام صاحب نے بھی ہمیں قیام کی اجازت دے دی، اس مسجد میں قیام کے لیے ایک بہت بڑا ہال ہے اور ساتھ میں ضروریات سے فارغ ہونے کا بھی انتظام ہے۔

پھر صبح فجر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہاں خیبر کی ایک ہوٹل میں عربی انداز کا شاندار ناشتہ کیا۔

خیبر: یہودیوں کا مرکز

آج بدھ کا دن ہے اور ہم خیبر میں ہیں۔

یہ خیبر مدینہ منورہ سے تقریباً ایک سو چوراسی (۱۸۴) کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

''خیبر'' حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہودیوں کا مرکز سمجھا جاتا تھا، یہاں کے یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے بڑے سخت دشمن تھے۔

یہودیوں کا ایک قبیلہ ''بنونضیر'' مدینہ میں آباد تھا؛ لیکن ان کی غداری کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ سے نکال دیا تھا، اس کے بعد وہ اسی جگہ آکر آباد ہو گئے تھے۔ اب خیبر کے یہود اور بنونضیر کے یہود نے مل کر عرب کے دوسرے مشرک قبائل کو ورغلا کر مدینہ منورہ پر حملہ کر کے اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے خطرناک سازش کی۔

حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا پتا چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے ساتویں سال اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر خیبر کا سفر فرمایا اور ان سب یہودیوں کا قصہ تمام کر دیا اور ان کی اس سرکشی اور غدّاری کو ختم کرنے کے واسطے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اقدام کرنا بالکل صحیح اور درست تھا۔

یہ یہود اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں، قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ (المائدۃ)

ترجمہ: (اے نبی!) تم ایمان والوں سے لوگوں میں سب سے زیادہ سخت دشمنی کرنے والے یہود اور شرک کرنے والوں کو پاؤ گے اور تم ان (غیر مسلموں میں سے) ایمان والوں سے دوستی کرنے میں زیادہ نزدیک ان لوگوں کو پاؤ گے جنھوں نے کہا کہ: ہم تو نصرانی ہی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان (نصرانیوں) میں بہت سارے علما اور

(دنیا چھوڑ کر تنہائی میں رہنے والے) درویش لوگ ہیں اور اس واسطے کہ وہ (نصاریٰ) تکبر نہیں کرتے۔

خیبر نام پڑنے کی وجہ

''خیبر'' یہود کی زبان میں قلعے کو کہا جاتا ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ''خیبر بن قانیہ بن مہلائیل'' نامی آدمی اس علاقے کا بانی تھا؛ اس لیے اس علاقے کو خیبر کہا جاتا ہے۔

اس علاقے کی زمین، پانی اور کھجوریں بھی بہت عمدہ ہوا کرتی ہیں۔

خیبر کے قلعے

اس زمانے میں خیبر میں بہت سارے قلعے تھے، وہ سب قلعے تین الگ الگ علاقوں میں تھے: (۱) نَطَاۃ (۲) شَق (۳) کُتیبہ۔

نطاۃ کے ماتحت تین قلعے تھے: (۱) ناعِم (۲) صَعْب بن مُعاذ (۳) قُلّہ (قلعۃ الزبیر)۔

شق کے ماتحت دو قلعے تھے: (۱) بَر (۲) اُبَی۔

کتیبہ کے ماتحت تین قلعے تھے: (۱) قَمُوص (۲) وَطِیح (۳) سلالم۔

درحقیقت یہ قلعے مختلف محلوں کے مانند تھے اور ان کا مجموعہ ''خیبر'' کہلاتا تھا۔

یہود بھی فنِ تعمیر میں ماہر تھے

یہود نے یہاں خیبر میں جو قلعے تعمیر کیے ہیں، بہت ہی عجیب وغریب طریقے سے تعمیر کیے ہیں، اس سے پتا چلتا ہے کہ یہ یہود بھی فنِ تعمیر میں ماہر تھے، نیز اونچے اونچے

پہاڑوں کی چوٹی پر یہ قلعے تعمیر کیے گئے تھے؛ تا کہ کوئی ان قلعوں پر چڑھ کر ان کو فتح ہی نہیں کر سکے۔

مگر اللہ تعالیٰ کی مدد سے حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ہمّت، حکمتِ عملی اور قربانی کو داد دینی چاہیے کہ انھوں نے دین کے خاطر اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر اتنے مشکل، مضبوط اور مستحکم قلعوں کو بھی فتح کر لیا۔

یہود کی خیبر میں آباد ہونے کی وجہ

یہ یہود خیبر میں کیسے آئے؟ ان کی آنے کی تاریخ اور وجہ کیا تھی؟ اس بارے میں مختلف روایات ہیں:

① ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً پانچ سو چھیاسی (۵۸۶) سال پہلے "بُخْتَ نَصَّر" بادشاہ نے بیت المقدس پر حملہ کیا تھا، اس وقت بہت سارے یہود وہاں سے بھاگ کر خیبر آ گئے تھے اور یہاں آباد ہو گئے تھے۔

② دوسری روایت یہ ہے کہ یمن کا بادشاہ "تُبَّعِ حِمْیَرِی" اپنی حکومت کا دورہ کرنے نکلا ہوا تھا، اس کی حکومت ملکِ افریقہ تک پھیلی ہوئی تھی، اس کی فوج میں چار سو ایسے علما تھے جو تورات کے حافظ تھے، انھوں نے تورات میں حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یہ بات لکھی ہوئی دیکھی تھی کہ آپ ایک ایسے شہر کی طرف ہجرت فرمائیں گے جس میں کھجوریں بہت ہوں گی اور وہ دو کالے پتھروں والے علاقوں کے درمیان ہوگا، جب یہ لوگ دورہ کرتے کرتے "خیبر" پہنچے اور یہاں دیکھا کہ کھجوریں بہت ہیں، تو ان میں سے ایک جماعت نے اسی خیبر کے علاقے میں قیام کر لیا۔

جب کہ بہت سارے یہودی علما کا خیال یہ تھا کہ مدینہ منورہ ہی وہ جگہ معلوم ہوتی

ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہجرت کر کے آئیں گے؛ لہٰذا ہمیں اسی جگہ رک جانا چاہیے؛ چناں چہ انھوں نے بادشاہ سے اجازت طلب کی، تبع بادشاہ نے وجہ پوچھی تو انھوں نے وجہ بتلائی کہ: یہ یثرب شہر اللہ تعالیٰ کے آخری نبی: حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت گاہ ہے؛ اس لیے ہم یہاں آپ سے قیام کی اجازت چاہتے ہیں۔

ان کی اس بات سے بادشاہ بہت زیادہ خوش ہو گیا، اس نے ان کو یہاں رہنے کی اجازت بھی دے دی اور ان کے رہنے کے لیے مکان بھی تعمیر کروا دیے۔

تبع کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مکان تعمیر کرنا

تبع بادشاہ نے ان چار سو مکانات کے علاوہ ایک اور مکان بھی تعمیر کروایا، جو بہت اچھا تھا، اس نے اس مکان کی چابی ان میں سب سے بڑے یہودی عالم کو سپرد کرتے ہوئے کہا: اللہ تعالیٰ کے آخری نبی جب اس جگہ ہجرت کر کے آجائیں گے تو تم اس مکان کی چابی ان کے حوالے کر دینا اور وہ اللہ کے نبی تمھاری زندگی میں نہ آوے تو تم اپنی اولاد کو وصیت کر جانا۔

کچھ تاریخی روایتوں سے پتا چلتا ہے کہ تبع وہ خوش نصیب بادشاہ تھا جس کو حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے پہلے سب سے پہلے کعبۃ اللہ پر غلاف چڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔

بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے جس گھر قیام فرمایا تھا، یہ وہی تبع بادشاہ کا بنایا ہوا گھر تھا؛ کیوں کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا نسب اوپر جا کر اسی بڑے یہودی عالم سے ملتا ہے جس کو تبع بادشاہ نے اس گھر کی چابی سپرد کی تھی۔

حسد اور ضد کی وجہ سے ایمان سے محرومی

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ یہود لوگ آخری نبی کے انتظار اور استقبال میں جزیرۃ العرب کے مختلف علاقوں میں آکر آباد ہوئے تھے؛ لیکن جب آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو انھوں نے محض حسد اور ضد کی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ کو نبی ماننے سے انکار کر دیا۔

ان یہود کی حسد اور ضد یہ تھی کہ اب تک جتنے انبیا دنیا میں تشریف لائے تھے تقریباً وہ سب بنو اسرائیل (حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے خاندان سے تھے) پھر یہ آخری نبی (محمد) کیوں بنو اسماعیل میں سے آئے؟

قرآنِ مجید کا بیان:

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ یَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْیًا اَنْ یُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿۹۰﴾ (البقرۃ)

ترجمہ: بہت بری ہے وہ چیز جس کے بدلے میں انھوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے کلام (یعنی قرآن) کا اس ضد پر انھوں نے انکار کر دیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل (یعنی وحی) میں سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اس پر (کیوں) اتارتے ہیں؟ سو وہ (بنی اسرائیل) غضب پر غضب کے حق دار ہوئے اور کافروں کے لیے ذلیل کر دینے والا عذاب ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ''بَغْیًا'' کا ترجمہ ''ضد'' کیا ہے۔

یہود کی ضد حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی زبانی

اس سلسلے میں ایک دل چسپ روایت ہے جس کو ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں، وہ فرماتی ہیں کہ: میں بچپن میں اپنے والد "حیی بن اخطب" اور چچا "ابو یاسر" کی بہت زیادہ لاڈلی تھی، وہ مجھ سے بہت زیادہ محبت کا اظہار کیا کرتے تھے اور وہ کہیں بھی جاتے تھے واپس آکر پہلے مجھ سے ملتے تھے۔

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو بہت سارے یہود آپ کی زیارت کرنے گئے تھے، میرے ابّا اور چچا بھی آپ کو دیکھنے کے واسطے گئے تھے۔ جب وہ شام کو گھر لوٹے تو نہایت تھکے ہارے اور بہت زیادہ پریشانی کی حالت میں تھے، عجیب بات یہ تھی کہ اس دن انھوں نے میری طرف کوئی توجہ ہی نہیں کی، پھر ایک کمرے میں بیٹھ کر دونوں چپکے سے باتیں کرنے لگے، جس کو میں سن رہی تھی:

میرے چچا ابو یاسر میرے والد سے کہنے لگے: اے حیی! کیا لگا؟

میرے والد کہنے لگے: تورات میں آخری نبی کے متعلق جو علامتیں بیان کی گئی ہیں وہ ساری ان میں موجود ہیں، یہ وہی آخری نبی ہیں۔

میرے چچا ابو یاسر میرے والد سے کہنے لگے: اے حیی! ہمیں اس نبی کے معاملے میں کیا کرنا چاہیے؟ میرے والد کہنے لگے: خدا کی قسم! میں مر جاؤں گا؛ لیکن اس نبی پر ایمان نہیں لاؤں گا۔

یہ ان کی ضد تھی، جس نے ان کو دنیا اور آخرت کی سب سے بڑی بھلائی؛ یعنی ایمان سے محروم کر دیا۔

بہر حال! اس طرح یہودیوں کی آبادی مدینہ، خیبر وغیرہ علاقوں میں ہوئی۔

اوس اور خزرج کی مدینہ میں آمد

یمن میں ''سبا'' کا علاقہ مشہور ہے، وہاں کا ڈیم بھی مشہور ہے، جب وہ ڈیم ٹوٹنے والا تھا تو کچھ پیشین گوئیوں کے سبب وہاں کے بہت سارے قبیلوں نے دوسری جگہ ہجرت کر لی تھی۔

اس وقت قبیلۂ ''اوس'' اور ''خزوج'' نے بھی وہاں سے ہجرت کر لی تھی اور مدینہ منورہ آ کر آباد ہو گئے تھے، اس وقت مدینہ منورہ کا نام ''یثرب'' تھا، قرآن میں بھی ایک جگہ اس کا تذکرہ ہے:

وَاِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا۔ (الاحزاب:۱۳)

ترجمہ: اور جب ان (منافقوں) میں کی ایک جماعت کہنے لگی: اے یثرب (یعنی مدینہ) والو! تم کو (یہاں) ٹھہرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، سو تم واپس چلے جاؤ!

انھوں نے مدینہ منورہ آ کر دیکھا کہ یہاں پہلے سے یہود آباد ہیں اور سارا معاشی (اکونومی) نظام یہودیوں کے ہاتھ میں ہے، اور وہ لوگ آپس میں لڑوانے میں بڑے ماہر تھے۔

ایک ظالم یہودی بادشاہ

اس زمانے میں یہودیوں میں ایک بادشاہ گزرا ہے، تاریخ کی کتابوں میں جس کا نام ''فطیون'' ذکر کیا گیا ہے، یہ بڑا ظالم بادشاہ تھا اور اس کا رعب اور دبدبہ بھی بہت زیادہ تھا۔

اس نے ایک خطرناک اعلان کر رکھا تھا کہ: اوس اور خزرج کی جس لڑکی کا بھی

نکاح ہوگا، اس کو اس کے شوہر کے پاس جانے سے پہلے ایک رات میرے پاس گزارنی ہوگی۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ دنیا میں کیسے کیسے ظلم کرنے والے لوگ تھے اور شیطان نے انھیں ظلم کے کیسے کیسے طریقے سکھلائے تھے؛ لیکن بالآخر ظلم کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔

ایک غیرت مند عورت کے ذریعے اس خطرناک ظلم کا خاتمہ ہوا۔

''مالک بن عجلان'' نامی ایک مشہور شخص کی بہن کی شادی ان کے کسی رشتے دار سے ہوئی، یہ مالک بن عجلان اپنے قبیلے کے بڑے لوگوں میں سے تھے۔

مالک بن عجلان کی بہن کی چالاکی

اس عورت نے ایک عجیب تدبیر اپنائی کہ: مالک بن عجلان اپنے دوست واحباب کے ساتھ مجلس جما کر بیٹھا تھا، اس وقت ان کی یہ بہن اپنے بدن کا کچھ حصہ کھول کر ان کے سامنے سے گزری، یہ دیکھ کر بھائی کو بڑی شرمندگی ہوئی اور بڑا غصہ آیا کہ ابھی اس کی شادی ہونے والی ہے، اس سے پہلے ہی یہ میری مجلس کے سامنے سے اس طرح ننگے بدن کے ساتھ گزر رہی ہے۔

اس زمانے میں بھائی بھی بہنوں کے معاملے میں بہت زیادہ غیرت مند ہوا کرتے تھے اور آج کل بھائی بہنوں میں عریانیت کے معاملے میں نعوذ باللہ! کوئی تمیز باقی نہیں رہی، اللہ ہمارے معاشرے کو اسلامی اور پاکیزہ معاشرہ بنادے۔

چناں چہ مجلس ختم ہونے کے بعد مالک گھر آئے اور اپنی بہن پر بہت غصّہ ہوئے۔

بہن کہنے لگی: بھائی! میں تھوڑے سے بدن کو کھلا رکھ کر تمھارے سامنے سے گزری، وہ تمھیں گوارا نہیں تو آج شام میری شادی ہے، اس کے بعد مجھے ایک رات

کے لیے اس ظالم یہودی سردار کے پاس لے جایا جاوے گا اور وہ میرے ساتھ کیا معاملہ کرے گا وہ بھی تمھیں معلوم ہے، اس پر تمھیں غیرت نہیں آتی؟

اس ظالم کے ظلم کا خاتمہ

یہ بات سن کر مالک بن عجلان کی غیرت جوش میں آ گئی؛ چناں چہ شام کے وقت جب ان کی بہن کو اس یہودی سردار کے پاس لے جایا جا رہا تھا، تب ساتھ میں کسی طرح وہ بھی قلعے میں داخل ہو گئے اور رات میں موقع پا کر اس کو قتل کر دیا۔

اس کے بعد مالک بن عجلان نے غسّان کے بادشاہ کے پاس مدد مانگی، غسان کا بادشاہ ان کی مدد کے واسطے ایک بڑا لشکر لے کر آیا اور یہودیوں کو بڑی مقدار میں قتل کیا، اس کے بعد مدینہ میں اوس اور خزرج کے لوگوں کو عزت اور سکون نصیب ہوا۔

ایک روایت یہ ہے چوں کہ یہ اوس اور خزرج کے لوگ یمن کے رہنے والے تھے تو انھوں نے یمن کے بادشاہ سے مدد طلب کی تھی، اس نے اپنا لشکر بھیج کر ساڑھے تین سو یہودیوں کو قتل کر دیا تھا۔

آپ ﷺ پیدائش سے پہلے بھی سراسر رحمت تھے

یہ غسّانی بادشاہ پورے طور پر مدینہ منورہ کو ختم کر دینا چاہتا تھا؛ لیکن ایک بوڑھے یہودی نے آ کر اس سے کہا کہ: اے بادشاہ! اس شہر کو پورے طور پر تباہ مت کیجیے؛ کیوں کہ بنو اسماعیل میں سے اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہجرت کر کے یہاں آنے والے ہیں۔

چناں چہ اس نے اس بوڑھے شخص کی بات مان لی اور اللہ کے رسول ﷺ کے اکرام میں وہ شہر باقی رکھ چھوڑا اور تباہ نہیں کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں تشریف لانے کے بعد تو رحمۃ للعالمین تھے ہی؛ مگر دنیا میں تشریف لانے سے پہلے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکت دنیا والوں کے لیے رحمت تھی۔

غزوۂ خیبر کا پس منظر

مدینہ منورہ میں ''بنونضیر'' کے یہودیوں نے ۴/ربیع الاوّل ۴ھ میں ۲۰/دن کے محاصرے کے بعد صلح کرنے کی درخواست کی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہتھیار نہ لے جانے کی شرط کے ساتھ ان کی جان بخشی تھی اور مدینہ چھوڑنے کا حکم دیا تھا اور ہر تین آدمی کو ایک اونٹ پر اپنا سامان لے جانے کی اجازت بھی دے دی۔

چناں چہ وہ بخیل لوگ اپنے گھر کا سارا سامان لے کر گاتے، بجاتے، خوشیاں مناتے مدینہ سے روانہ ہوئے، ان میں سے کچھ ملکِ شام کی طرف چلے گئے اور کچھ خیبر میں جا بسے، قرآن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۚ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ② (الحشر)

ترجمہ: وہی (اللہ تعالیٰ) ہیں جنھوں نے اہلِ کتاب میں سے کافروں (یعنی بنی نضیر) کو ان کے گھروں سے پہلی مرتبہ میں ہی اکھٹا کر کے نکال دیا (اے مسلمانو!) تم کو تو یہ خیال بھی نہیں تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ خود بھی یہ خیال رکھتے تھے کہ ان کے قلعے ان کو اللہ تعالیٰ (کی پکڑ) سے بچالیں گے، پھر اللہ تعالیٰ (کا عذاب) ان کے پاس

ایسی جگہ سے پہنچا جہاں سے ان کو گمان بھی نہیں تھا اور اس (اللہ تعالیٰ) نے ان کے دلوں میں (مسلمانوں کا) رعب ڈال دیا کہ وہ اپنے گھروں کو (خود) اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے (بھی) برباد کر رہے تھے؛ لہذا اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرلو۔

حیی بن اخطب کی سازش

حیی بن اخطب بڑا سازشی اور عیار سردار تھا، اس نے وہاں اپنا اثر ورسوخ اتنا زیادہ بڑھایا کہ وہاں کا سردار بن گیا، غزوۂ خندق میں سارے عرب کو مسلمانوں کے خلاف جمع کرنے میں بھی اسی کی سازش تھی۔

اس مقصد سے یہ کچھ یہودی سرداروں کے ساتھ مکہ مکرمہ گیا تھا اور مکہ والوں کو ہر طرح سے مدد کرنے کا یقین دلایا تھا، اور مدینہ منورہ میں آباد "بنوقریظہ" کو ہر طرح سے دباؤ ڈال کر مسلمانوں سے کیے ہوئے معاہدے کو توڑنے پر مجبور کیا تھا۔

حیی بن اخطب کا مقصد

ان سب کاموں کو انجام دینے کے پیچھے اس کا ناپاک مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو ختم کرکے مدینہ منورہ میں چھوڑی ہوئی اپنی جائداد، مال ودولت اور باغات پر واپس قبضہ کیا جاوے؛ اِس لیے اس نے دوسرا کام یہ کیا کہ مدینہ منورہ کے شمالِ مشرق کی طرف آباد مشہور لڑاکو قبیلہ "بنوغطفان" اور اس کے دوسرے خاندانوں کو مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کے لیے ابھار رہا تھا اور اس نے ان سے عہد لیا تھا کہ مسلمان خیبر پر حملہ کریں گے تو تم ہماری مدد کروگے۔

امام واقدیؒ کا بیان ہے کہ: ہر روز دس ہزار کی تعداد میں سپاہی قلعوں سے باہر نکل کر صف بندی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ: محمد پر کس طرح جیت حاصل کر سکتے ہیں؟ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ: منافقین کے سردار ''عبداللہ بن ابی'' نے یہودیوں کو مدینہ پر حملہ کرنے کی دعوت دی، وہ مسلمانوں کے لشکری ترتیب سے پوری طرح باخبر تھا، اس طرح وہ ان کا چھپا ایجنٹ تھا۔

جب اس بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتا چلا کہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا، انھوں نے خیبر جا کر چھپ کر یہودیوں کی چالاکی کو دیکھا اور واپس مدینہ آکر اس کی تصدیق کی کہ یہ بات صحیح ہے۔

سورۂ فتح کا وعدہ پورا ہوا

ان حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ اس سیلاب کو ابھرنے سے پہلے ہی روک دیا جاوے۔

صلحِ حدیبیہ کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ کیا گیا تھا:

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ. (الفتح)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ تم سے بہت ساری غنیمتوں کا وعدہ فرما چکے ہیں جن کو تم حاصل کروگے اور فوری طور پر اس (اللہ تعالیٰ) نے تم کو یہ (خیبر کی غنیمت) عطا کر دی۔

لہٰذا محرم سن ۷ رہجری میں یہ اعلان کیا گیا کہ صرف حدیبیہ میں حاضر لوگ ہی جہاد کی تیاری کریں؛ گویا یہ سورۂ فتح میں جو وعدہ کیا گیا تھا وہ پورا ہو رہا ہے۔

اِس اعلان کے پیشِ نظر صرف حدیبیہ میں شریک ہونے والوں نے ہی خیبر کے لیے تیاری کی۔

جنگ کے لیے تدبیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں حضرت سباع بن عُرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور ہمیشہ کی طرح اپنے مقصد کو چھپا کر رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر مدینہ منورہ کے شمال کی جانب سے شروع کیا، یہ راستہ ایسا تھا کہ بنو غطفان اور خیبر دونوں کی طرف جاتا تھا۔

مسلمان جیسے ہی نکلے عبداللہ بن ابی نے یہود کو پیغام بھیجا کہ مسلمان نکل چکے ہیں، تم لوگ سامان اور تعداد میں زیادہ ہو؛ اس لیے اپنے قلعوں سے باہر نکل کر مسلمانوں سے مقابلہ کرو؛ لیکن یہود نے اس کی بات نہیں مانی اور قلعوں کے اندر رہ کر مقابلہ کرنے میں اپنی عافیت سمجھی۔

ساتھ ہی خیبر کے ان یہود نے اپنے دو آدمی بنو غطفان کے سردار "عیینہ بن حصن" اور بنو اسد کے سردار "طلیحہ بن خویلد" کے پاس بھیجے اور یہ لالچ بھی دی کہ اگر ہم خیبر میں جیت گئے تو خیبر کی آدھی پیداوار تمھیں دیتے رہیں گے۔

انھوں نے پہلے سے یہ طے کر لیا تھا کہ بنو غطفان پیچھے سے اسلامی لشکر پر حملہ کریں گے اور یہود آگے سے، اس طرح کر کے مسلمانوں کو مکمل طور پر ختم کرنا آسان ہو جاوے گا۔

لشکر کی ترتیب

مدینہ سے نکلتے وقت مجاہدین کی تعداد ۱۴۰۰ / یا ۱۵۰۰ تھی، لشکر کے آگے والے حصے میں حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ، داہنی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، پورے راستے

میں حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار پڑھ رہے تھے، ان کے اشعار پڑھنے کا انداز ایسا تھا کہ اس کو سن کر اونٹ بھی مست ہو رہے تھے۔ وہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا	وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا	إِنَّا إِذَا صِيحَ بِنَا أَتَيْنَا
وَنَحْنُ عَنْ فَضْلِكَ مَا اسْتَغْنَيْنَا	

اے اللہ! اگر آپ ہدایت نہ دیتے تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، نہ صدقہ خیرات کر سکتے اور نہ آپ کے سامنے سجدہ کر سکتے۔

اے مالک! دشمنوں سے مقابلے کے وقت ہم کو ثابت قدم رکھنا، جب ہمیں جہاد و قتال کے لیے بلایا جاتا ہے تو ہم دوڑ کر پہنچتے ہیں۔

اے پروردگار! ہم آپ کے فضل و کرم سے بے نیاز نہیں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: یہ پڑھنے والا کون ہے؟

لوگوں نے کہا: حضرت عامر بن اَکوَع رضی اللہ عنہ ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرماوے۔

جس شخص کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے اس طرح دعا نکلتی وہ ضرور شہید ہوتا تھا۔

مقامِ رجیع میں لشکر کا کیمپ

رات میں ''رجیع'' نامی جگہ میں پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا گیا، یہ جگہ بنو غطفان اور خیبر کے بیچ والے علاقے میں تھی، یہ جگہ اس لحاظ سے بہت زیادہ مناسب تھی کہ ایک ہی

وقت میں دونوں دشمنوں پر نظر رکھنا ممکن تھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ غطفانی لوگ چار ہزار کا لشکر لے کر یہود کی مدد کے لیے خیبر کی طرف روانہ ہوئے؛ مگر جیسے ہی ان کو رجیع میں مسلمانوں کے پڑاؤ کی خبر ملی، وہ واپس اپنے علاقے میں بھاگ گئے اور یہود کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔

خیبر میں آپ ﷺ کا پڑاؤ

آخر کار مسلمانوں کا لشکر خیبر میں داخل ہوا، آپ ﷺ نے مجاہدوں کو یہ دعا کرنے کا حکم دیا:

اللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَمَا أَظْلَلْنَ، وَرَبَّ الْأَرَضِينَ السَّبْعِ وَمَا أَقْلَلْنَ، وَرَبَّ الشَّيَاطِينِ وَمَا أَضْلَلْنَ، وَرَبَّ الرِّيَاحِ وَمَا ذَرَيْنَ، فَإِنَّا نَسْأَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ أَهْلِهَا، وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ أَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا.

(رواه النسائي في السنن الكبرى:۲۵۶/۵. السيرة لابن هشام)

ترجمہ: اے اللہ! ساتوں آسمانوں کے رب اور ان کے جن پر وہ سایہ کرتے ہیں اور ساتوں زمینوں کے مالک اور ان کے جن کو انھوں نے اٹھا رکھا ہے اور شیطانوں کے رب اور ان کے جن کو انھوں نے گمراہ کیا ہے اور ہواؤں کے رب اور ان کے جن کو انھوں نے بکھیرا ہے، سو ہم آپ سے اس بستی کی، بستی والوں کی اور جو کچھ اس میں ہے اس کی بھلائی چاہتے ہیں اور بستی کی برائی اور بستی والوں کی برائی اور جو کچھ اس میں ہے، اس کی برائیوں سے آپ کی حفاظت میں آتے ہیں۔

حضرت نبیِ کریم ﷺ نے خود بھی دعا مانگی اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

خیبر والوں کو آپ ﷺ کے آنے کی کوئی خبر نہیں تھی، جب صبح ہوئی تو کسان ہل، جانور، کدال اور پھاوڑے لے کر اپنے کھیتوں کی طرف نکلے، آگے بڑھے تو ایسا منظر دیکھا کہ جس کا یقین نہیں ہو رہا تھا، ڈرتے ہوئے الٹے پاؤں یہ کہتے ہوئے بھاگے:

مُحَمَّدٌ وَاللهِ! مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيْسُ. (البخاري)

خدا کی قسم! اپنی پوری فوج کے ساتھ محمد ہیں، محمد ہیں۔

خیبر برباد ہو گیا

یہ دیکھ کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

اَللهُ اَكْبَرُ! خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ.

اللہ اکبر! خیبر برباد ہو گیا، ہم جب بھی کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو وہ صبح کافروں کے لیے بہت بری ہوتی ہے۔

خیبر کا سردار ''سلام بن مشکم'' بیمار تھا، جب اس کو اِس بارے میں پتا چلا تو کہنے لگا: لڑائی میں قتل ہونا قید ہونے سے بہتر ہے، اس نے عورتوں اور بچوں کو ''قلعۂ کتیبہ'' میں بھیج دیا، فوجیوں کو ''قلعۂ نطاۃ'' اور ''قموص'' میں جمع ہونے کا حکم دیا اور کھانے پینے کے سامان کو ''قلعۂ ناعم'' میں محفوظ کروا دیا۔

جنت کا خزانہ

ان کی اِس چہل پہل سے مسلمانوں نے اندازہ لگا لیا کہ یہودی بھی مقابلے کے لیے تیار ہیں؛ لہذا مسلمانوں نے بہت زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا، آپ ﷺ نے فرمایا: تم جس ذات کو پکار رہے ہو وہ بہری نہیں ہے، آہستہ آواز کو بھی سننے والی ہے۔

اس وقت حضرت ابوموسی اشعری ﷛ ''لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ'' پڑھ رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ کلمہ جنت کے خزانوں میں سے ایک ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے سامنے دعا کی اور فرمایا: بسم اللہ، اب آگے بڑھو!

قتال کے وقت بھی مولائے حقیقی کے ذکر کی ترغیب

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٤٥﴾ (الانفال)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب (کفار کی) کسی جماعت سے (جہاد میں) تمھارا مقابلہ ہو جائے تو تم ثابت قدم رہو اور تم اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرو؛ تاکہ تم لوگ کامیاب ہو جاؤ۔

فائدہ: ذکر سے دل میں قوت پیدا ہوتی ہے جس کی برکت سے دل مضبوط ہوتا ہے اور قدم اور دل دونوں جم جاویں تو کامیابی یقینی ہوتی ہے، جنگ کی گرمی میں اللہ کا ذکر واقعی محبتِ الٰہی کی علامت ہے، ذکر میں نعرۂ تکبیر کی آوازیں بلند کرنا، اللہ پر توکل، ہر موقع پر اللہ و رسول کی اطاعت اور تسبیح سب مراد ہو سکتے ہیں، جب جنگ میں ذکر کی کثرت ہے تو امن کے حالات میں بدرجۂ اولی ذکر کی کثرت کی تاکید ہے۔ (از: تیسیر القرآن)

اس آیتِ کریمہ میں عین قتال کے موقع پر جب کہ انسان کی پوری جسمانی و ذہنی قوت دشمن کی طرف ہوتی ہے، اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کا حکم دیا گیا، اس سے اللہ تعالیٰ کے ذکر کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

نیز یہ بات بھی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کی وجہ سے انسان کا دل و دماغ اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے اور بندہ ایک روحانی قوت محسوس کرتا ہے، جس کے ذریعے دفاع میں بھی بڑی مدد ملتی ہے۔

ایمان والے اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں

زمانۂ جاہلیت میں بھی جب شجاع و بہادر لوگ اپنے دشمنوں سے مقابلے کے لیے میدان میں اترتے تھے تو اس وقت اشعار کہا کرتے تھے، ان اشعار میں وہ ان کی معشوقاؤں کا تذکرہ کیا کرتے تھے؛ گویا وہ اس کے ذریعے اپنی معشوقہ کو اپنی محبت کے جذبات جتلانا چاہتے تھے کہ ہماری جان کا خطرہ ہے؛ لیکن اس موقع پر بھی ہم نے آپ کو یاد کیا تھا۔

چناں چہ جب ہمارا حقیقی عشق اور محبت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ (البقرۃ:۱۶۵)

ترجمہ: اور ایمان والے اللہ تعالیٰ ہی سے سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔

لہٰذا ہمیں قتال کے وقت بھی اس بات کی ترغیب دی گئی کہ تم قتال کے وقت اپنے حقیقی مولیٰ کا ذکر کیا کرو؛ تاکہ تمھارا دل و دماغ اس کی طرف متوجہ رہے، ساتھ ہی تمھارے مولیٰ کی مدد بھی تمھارے شاملِ حال رہے۔

اسلامی جھنڈے

علامہ دمیاطیؒ نے لکھا ہے کہ: یہ پہلا موقع تھا کہ اسلامی لشکر جنگ کے میدان میں

بڑے بڑے جھنڈوں کے ساتھ اتارا گیا؛ ورنہ اس سے پہلے چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں استعمال کی جاتی تھی۔

ایک جھنڈا حضرت خبّاب بن منذر رضی اللہ عنہ، دوسرا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور ایک سفید رنگ کا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سپرد کیا گیا، اس لڑائی میں مسلمانوں کا شعار (Code word) ''یا منصورُ! اَمِتْ اَمِتْ'' تھا؛ یعنی کامیابی، مارو، مارو!

مختلف قلعوں کی داستانیں عجیب وغریب ہیں، ہم اس میں کچھ داستانیں آپ کے سامنے نقل کرتے ہیں۔

پہلے دن کی لڑائی

یہودی پورا دن قلعے سے تیر اور پتھر پھینکتے رہے، مسلمان ان کے ہی تیر جمع کر کے ان کا مقابلہ کرتے رہے، حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے آکر کہا: ہم جس جگہ ہے وہ نطاۃ قلعے کے بہت پاس ہے، قلعے کی اونچائی سے تیر ہم تک آسانی سے آجاتے ہیں؛ مگر ہمارے تیر وہاں تک نہیں پہنچ رہے ہیں، ساتھ ہی وہ قلعے سے برابر ہم پر نظر رکھے ہوئے ہیں؛ لیکن ہم ان کو نہیں دیکھ سکتے!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی اور جگہ تلاش کرو۔ انھوں نے حضرت محمد مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک جگہ تلاش کر لی اور لشکر اس جگہ منتقل کر دیا گیا، پورا دن تیر اندازی ہونے کی وجہ سے ۵۰ رمسلمان زخمی ہوئے۔

حضرت حُبّاب رضی اللہ عنہ کا مشورہ

حضرت حُباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ: کھجور کے درخت کاٹ دیے

جاویں؛ کیوں کہ یہ یہود کو ان کی اولاد سے بھی زیادہ پیارے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی، نطاۃ قلعے کے علاوہ دوسرے قلعوں کے بھی درخت کاٹ دیے گئے۔

یہ منظر دیکھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے ہم سے خیبر کی فتح کا وعدہ فرمایا ہے؛ اس لیے یہ اپنا نقصان خود کرنا ہے، اس کے بعد یہ حکم واپس لے لیا گیا۔

قلعۂ ناعِم کی فتح

یہ قلعہ اپنی جگہ کے لحاظ سے یہود کا ایک بہت ہی مضبوط قلعہ تھا، اس کی طرف مسلمانوں کی فوج کا ایک لشکر بھیجا گیا، اس کے افسر حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ تھے، وہ پانچ دن تک برابر ان پر حملہ کرتے رہے، چھٹے دن گرمی بہت زیادہ تھی، گرمی سے پریشان ہو کر وہ آرام کرنے کے لیے قلعے کی دیوار کے پاس ایک درخت کے نیچے سو گئے۔

ان کو دیکھ کر ''کنانہ بن ابی الحقیق'' نے ایک پتھر گرایا جو ان کے سر پر لگا، چوٹ بہت سخت تھی؛ اس لیے وہ شہید ہو گئے، ان کو رجیع میں لاکر دفن کیا گیا۔

اس کے بعد فوج کی کمان ان کے بھائی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے سنبھالی اور قلعہ کو فتح کر لیا، اس قلعے میں یہود کا بہت زیادہ مال اور سامان رکھا ہوا تھا، یہ ''مرحب'' کا قلعہ تھا؛ مگر وہ دوسرے قلعے میں موجود تھا، مسلمانوں کا زور دیکھ کر یہود یہاں سے ''قلعۂ صعب'' میں چلے گئے۔

قلعۂ صَعب بن معاذ کی فتح

یہ یہود کا دوسرا مضبوط قلعہ تھا، جب گھیراؤ لمبا ہو گیا تو مسلمانوں کو بھوک کا احساس

ہوا؛ چناں چہ حضرت معتب بن بشر اسلمی رضی اللہ عنہ نے حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی کہ ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے، ہم بھوک کی وجہ سے مجبور ہیں۔

لہذا حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی: اے اللہ! کوئی بڑا قلعہ فتح کروا دیجیے؛ تا کہ لشکر کے کھانے کا مسئلہ حل ہو جاوے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورے لشکر کو ایک جگہ جمع فرمایا اور حضرت خبّاب بن منذر رضی اللہ عنہ کو جھنڈا ہاتھ میں دیا اور ایک ساتھ حملہ کرنے کا حکم دیا، اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ قلعہ بھی فتح ہو گیا اور اس میں سے کھانے اور پینے کا بہت زیادہ سامان ہاتھ لگا۔

قلعۂ نطاۃ کی فتح

ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ لشکر کی نگرانی کر رہے تھے کہ ایک یہودی گرفتار ہوا، اس کو جب قتل کرنے کا ارادہ کیا تو کہنے لگا: مجھے اپنے نبی کے پاس لے چلو! جب یہ شخص حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا تو اس نے کہا: اگر مجھے میری جان کی امان دی جاوے تو ایک راز کی بات بتلاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: امان ہے۔

کہنے لگا: آج رات ''قلعۂ نطاۃ'' سے سب لوگ ''قلعۂ شق'' میں منتقل ہو رہے ہیں، صبح ہوتے ہی آپ اس پر قبضہ کر لینا، اس کو فتح کر لینے کے بعد اس نے وہ تہہ خانہ بھی بتلایا جہاں پیسے اور زیورات رکھے ہوئے تھے۔

قلعۂ اُبی کی فتح

اس کے بعد حضرت خبّاب بن منذر رضی اللہ عنہ نے قلعۂ اُبی پر حملے شروع کیے، ''غزوان'' نامی یہودی مقابلے کے لیے نکلا، حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے ایک ہی وار میں اس

کا داہنا ہاتھ الگ کردیا۔

دوسرا یہودی آگے بڑھا اور اس نے ایک مسلمان کو شہید کردیا، حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے لپک کر اس کا کام بھی تمام کردیا، اب کسی یہودی کی آگے بڑھنے کی ہمّت نہیں ہوئی۔

اللہ اکبر کے دل ہلا دینے والے نعروں کے ساتھ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کچھ حضرات کو لے کر قلعے کی دیوار پر چڑھ گئے، قلعے میں زبردست مقابلہ ہوا اور آخر کار یہودی پیچھے ہٹ گئے، اِس قلعے میں سے بہت سارے بھیڑ، بکریاں اور کپڑے ہاتھ لگے۔

قلعۂ بَر

قلعۂ اُبَی کو جیت لینے کے بعد مسلمانوں نے ''قلعۂ بر'' کا گھیراؤ کرلیا، قلعہ والوں نے اندر سے مسلمانوں پر تیر اور پتھّر برسائے، یہ دیکھ کر ''قلعۂ صعب بن معاذ'' سے منجنیقیں (توپ) لائی گئیں اور اس سے دیوار گرائی گئی، اِس طرح یہ قلعہ فتح کیا گیا۔

قلعۂ قُلّہ

یہ قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر تھا، مسلمانوں نے تین دن تک اس کو گھیرے رکھا؛ مگر اس کو جیت نہیں سکے۔

ایک ''عزال'' نامی یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابوالقاسم! (یہود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی کنیت سے بلایا کرتے تھے) آپ اگر یہاں ایک مہینہ بھی پڑاؤ ڈالے رہیں گے تو بھی ان کا کچھ بگڑنے والا نہیں ہے، ان کے چشمے زمین کے نیچے ہیں، وہ رات کو پانی لے کر قلعے میں چلے جاتے ہیں، اگر آپ ان کا پانی بند کردیں تو وہ مجبور ہو جاویں گے۔

چناں چہ ان کا پانی بند کر دیا گیا، انھوں نے قلعے سے نکل کر زوردار لڑائی کی، دس یہودی مارے گئے اور کچھ مسلمان بھی شہید ہوئے، آخر کار قلعہ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

قلعۂ قَموص

یہ خیبر کا ایک بہت ہی مضبوط قلعہ تھا، یہ قلعہ جلدی فتح نہیں ہو رہا تھا، نیز اس قلعے میں یہود کی لشکری طاقت بھی بڑی مقدار میں تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعلان

چناں چہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شام یہ اعلان فرمایا کہ:

لَأُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ، يُحِبُّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ. (المسلم)

یعنی کل صبح میں ایک ایسے آدمی کے ہاتھ میں اسلامی جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبّت کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول بھی ان سے محبّت کرتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کا نام نہیں لیا تھا، اب یہ اتنی بڑی بشارت (خوش خبری) تھی کہ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی رات بے چینی میں گذری کہ پتا نہیں کل صبح یہ سب سے بڑی سعادت کس کی تقدیر میں لکھی ہوئی ہوگی۔ جب دوسرے دن فجر کی نماز مکمل ہوئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب آ گئے۔

شرّاحِ حدیث نے یہاں یہ تعبیر اختیار کی ہے کہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم بالقصد اس نیت سے اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب کر رہے تھے؛ تا کہ ان کا نام لیا جاوے،

جیسے: کسی کے گھر شادی ہوتی ہے تو لوگ اس نیت سے ان کے سامنے جانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کو بھی دعوت میں بلایا جاوے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مصداق

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رویے سے ایسا معلوم ہورہا تھا کہ آپ مجمع میں کسی کو تلاش کر رہے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ علی کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا: وہ بیمار ہیں اور اپنے خیمے میں ہیں۔ دراصل ان کی آنکھ میں درد ہورہا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: علی کو بلاؤ۔

چناں چہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن (تھوک مبارک) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں لگادیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اس دن تو میری آنکھ ٹھیک ہوہی گئی؛ لیکن اس کے بعد بھی زندگی بھر مجھے آنکھوں میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: علی! آگے بڑھو! سب سے پہلے اِن یہود کو ایمان کی دعوت دو اور اپنی طاقت پر غرور نہ کرنا۔

کسی کو صحیح راستے پر لانے کی فضیلت

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ:

فَوَاللّٰہِ! لَأَنْ یَّھْدِيَ اللّٰہُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَیْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ یَّکُوْنَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ۔ (البخاري: ۴۲۱۰)

اے علی! اگر تمھارے ذریعے اللہ تعالیٰ کسی کو ہدایت دیوے تو وہ تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

فائدہ: سرخ اونٹ سب اونٹوں میں بہت قیمتی اور اعلیٰ سمجھے جاتے ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ: وہ تمھارے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

بہر حال! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، سب سے پہلے انھوں نے یہود کو ایمان کی دعوت دی؛ لیکن انھوں نے ایمان لانے سے انکار کر دیا اور مقابلے کے لیے تیار ہو گئے، نیز اپنے سب سے بڑے پہلوان ''مرحب'' کو مقابلے کے لیے آگے بھیجا۔

مرحب کے خاتمے کے ساتھ یہود کی سرکشی کا بھی خاتمہ

مرحب بہت ہی طاقتور آدمی تھا، اس نے مقابلے میں آتے وقت کچھ اشعار پڑھے:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّيْ مَرْحَبُ	شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ
إِذَا الْحُرُوْبُ أَقْبَلَتْ تَلَهَّبُ	

ترجمہ: خیبر والے خوب جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں، جو ایک ہتھیار بند بہادر اور تجربہ کار بہادر ہے، جب جنگ کی آگ بھڑک اٹھے (تو میں شجاعت و بہادری کے خوب جوہر دکھاتا ہوں)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اشعار ہی میں اسے جواب دیا:

أَنَا الَّذِيْ سَمَّتْنِيْ أُمِّي حَيْدَرَهْ	كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيْهِ الْمَنْظَرَهْ

ترجمہ: میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے۔ میں جنگلوں کے شیر کی طرح خوفناک نظر آتا ہوں۔

پھر حضرت علی ؓ نے اس سے مقابلہ کیا اور اس دوران آپ نے اس کے سر پر تلوار کا ایسا زبردست وار کیا کہ اس کے سر پر جو لوہے کی ٹوپی تھی اس کے دو ٹکڑے ہونے کے ساتھ اس کے سر کے بھی دو ٹکڑے ہو گئے۔

اس کے بعد حضرت علی ؓ جب آگے بڑھے تو قلعے کی دیوار پر سے ایک یہودی نے (جس کے ہاتھ میں صحیفے جیسی کوئی چیز تھی) آواز لگا کر حضرت علی ؓ سے پوچھا کہ: تم کون ہو؟

حضرت علی ؓ نے جواب دیا: میں علی بن ابی طالب ہوں۔ وہ کہنے لگا: اس خدا کی قسم جس نے موسیٰ پر تورات نازل کی ہے، تم ہی لوگ سربلند رہوں گے۔

اندازہ یہ ہے کہ یہ قرآنِ کریم کی اِس آیتِ کریمہ کی طرف اشارہ ہے:

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ. (الحجرات)

یہ ان (صحابہ) کے اوصاف ہیں جو تورات میں ذکر کیے گئے ہیں اور ان کے اوصاف انجیل میں بھی (ذکر کیے گئے) ہیں۔

بہر حال! اس موقع پر حضرت علی ؓ نے بہت زوردار مقابلہ کیا اور اللہ کے فضل و کرم سے وہ قلعہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ فتح ہو گیا۔

قلعۂ نزار

یہ بھی یہود کا ایک مضبوط قلعہ سمجھا جاتا تھا، اسی وجہ سے یہاں حفاظت کی خاطر عورتوں اور بچوں کو رکھا گیا تھا؛ اس لیے ان کو بچانے کی خاطر یہود نے جان کی بازی لگا

دی، مسلمان بھی آگے بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے؛ مگر قلعے میں داخل ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی، یہود اندر سے تیر برسا رہے تھے، اوپر سے پتھروں کی بارش ہو رہی تھی؛ لیکن ان میں باہر نکل کر مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

جب کامیابی کی اور کوئی صورت نظر نہیں آئی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قلعۂ صعب بن معاذ سے حاصل ہونے والی منجنیق منگوائی، ان کے ذریعہ پتھر برسائے گئے تو قلعے کی دیوار میں سراخ ہو گئے۔

اس کے بعد مجاہدین اندر داخل ہو گئے، بہت سخت مقابلہ ہوا، بالآخر یہاں بھی یہود کو ہار کا سامنا کرنا پڑا، انھوں نے عورتوں اور بچوں کو مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر خود "قلعۂ کتیبہ" میں جا کر پناہ لی۔

کتیبہ، وطیح اور سلالم کی فتح

اس کے بعد مسلمان آخر میں "وطیح" اور "سلالم" کی طرف آگے بڑھے، یہود ہر طرف سے آ کر یہاں جمع ہو گئے، چودہ دن تک مسلمانوں نے گھیراؤ کیا، آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منجنیق استعمال کرنے کا حکم دیا۔ اب یہود کو جب اپنی تباہی صاف نظر آئی تو سامنے سے صلح کی درخواست کرنے لگے، ان کی درخواست قبول کر لی گئی۔

ابن ابی الحقیق بات چیت کرنے آیا، اس کو اس شرط پر چھوڑ دیا گیا کہ ابھی فوراً خیبر چھوڑ دے اور لڑائی کا سامان وغیرہ کچھ ساتھ نہیں لے جا سکتے، اگر کچھ چھپایا گیا یا خیانت کی تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس خیانت سے بری ہے۔

یہود نے ان شرطوں کو قبول کر کے صلح کر لی اور یہ تینوں قلعے مسلمانوں کے حوالے کر دیے۔ اس طرح پورا خیبر مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

یہودیوں کی پیش کش

جب خیبر فتح ہوگیا تو ان یہود نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ پیش کش کی کہ: ہم کھیتی باڑی کے ماہر لوگ ہیں، ہم یہاں کی زمینوں کے بارے میں بھی کافی معلومات رکھتے ہیں، ہم آپ کو سالانہ اتنی اتنی مقدار میں ٹیکس ادا کیا کریں گے؛ لہذا ہمیں خیبر ہی میں رہنے دیا جائے، ہمیں نکالا نہ جاوے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ: ابھی تو ہم آپ لوگوں کو یہیں خیبر میں آباد رہنے دیتے ہیں؛ لیکن ہم جب چاہیں آپ کو یہاں سے نکال سکتے ہیں۔

چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو آپ نے ان کو خیبر سے دوسری جگہ منتقل کردیا۔

یہود کی خیانت

جھوٹ اور دھوکہ تو اِن یہود کی فطرت اور ان کے خون میں ہیں، اس موقع پر بھی انھوں نے خیانت کی، حیی بن اخطب کی سونے اور چاندی سے بھری تھیلی چھپادی گئی۔

جب اس کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا: جنگ کا سامان لانے میں خرچ ہوگیا، ایک یہودی نے آکر خبر دی کہ ہم نے کنانہ کو فلاں جنگل میں گھومتے دیکھا ہے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کچھ مجاہدوں کے ساتھ وہاں گئے اور اونٹ کی کھال میں دفن اس خزانے کو نکالا، معاہدے کے خلاف کرنے کی وجہ سے کنانہ بن ابی الحقیق کو پکڑا گیا، وہ محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا؛ اس لیے ان کے بھائی حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا گیا کہ اسے قتل کردیں۔

خیبر کے شہداء

پورے خیبر کا گھیراؤ ایک مہینے تک جاری رہا، اس میں دشمن کے ۹۳ر آدمی ہلاک ہوئے، جن میں ان کے بڑے بڑے سردار: ''سلام بن مشکم'' وغیرہ شامل تھے۔

اور مسلمانوں کا کم نقصان ہوا: ۲۱ر صحابۂ کرام ﷺ شہید ہوئے، جن میں سے پانچ مہاجرین اور پندرہ انصار میں سے تھے۔

بعض حضرات نے مسلمانوں میں شہید ہونے والوں کی تعداد ۱۵ر بتلائی ہے، جن میں ۴ر قریش میں سے، ایک قبیلۂ اشجع سے، ایک قبیلۂ اسلم سے، ایک مجاہد خیبر کے تھے اور باقی انصار میں سے تھے۔

ان حضرات کو یہاں ''خیبر'' ہی میں دفن کیا گیا تھا، آج بھی خیبر میں ان کا قبرستان موجود ہے۔

بغیر عمل کے جنّت میں داخلہ

اس لڑائی میں ایک عجیب واقعہ یہ ہوا کہ ایک چرواہا جس کا نام ''اسلم'' تھا، وہ ایمان لے آئے، ان کی داستان بہت عجیب ہے کہ ایمان لائے، ایک نماز بھی ادا کرنے کا موقع نہیں ملا، جنگ میں آگے بڑھے اور شہید ہوکر جنّت میں داخل ہو گئے۔

اس میں ہمارے لیے عبرت ہے کہ ہم اپنی عبادتوں پر غرور کرتے ہیں؛ مگر اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایمان میں ایسے مخلص اور پکّے ہوتے ہیں کہ بغیر عمل کیے جنّت میں داخل ہوجاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی عبادتوں پر اِترانے سے بچنے کی توفیق عطا فرمادے، آمین۔

مالِ غنیمت

ان تمام قلعوں میں سے مالِ غنیمت کے طور پر الگ الگ مقدار میں پیسے، سونا، چاندی اور جانور حاصل ہوئے۔

امام واقدیؒ کے بیان کے مطابق قلعۂ نطاۃ سے ہر قسم کے ہتھیار کے علاوہ منجنیق بھی ملی، محاصرہ اور گھیرے کو توڑنے کے لیے کام میں لیے جانے والے دبابے (tank) بھی ملیں۔

قلعۂ صعب بن معاذ سے بھی بہت ساری منجنیق اور دبابے مسلمانوں کے ہاتھ لگے، ساتھ ہی اس قلعے سے گائے، بکریاں، بھیڑ، ضروری سامان اور مٹکوں میں بھری شراب ہاتھ لگی۔

قلعۂ قموص سے ایک سو زرہ بکتر، چار سو تلواریں، ایک ہزار نیزے اور پانچ سو عربی کمان ترکش کے ساتھ حاصل ہوئی، ان سامان کے علاوہ اناج، گھی، مکّھن وغیرہ بھی ہاتھ لگے، برتنوں میں سونے، چاندی اور مٹی کے برتن تھے۔

مالِ غنیمت میں تورات کے کچھ نسخے بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگے، انھیں پوری حفاظت کے ساتھ یہودیوں کو واپس کر دیا گیا۔

مالِ غنیمت کی تقسیم

مالِ غنیمت کے جمع ہو جانے کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو لشکر کی گنتی کا حکم دیا، گنتی کے بعد معلوم ہوا کہ کل ۱۴۰۰ رمجاہد ہیں، چلنے والے کو ایک حصّہ اور سوار کو دو حصے دیے گئے۔

عام مسلمانوں کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ایک ہی حصّہ ملا، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اس جہاد میں شریک نہیں تھے؛ مگر چوں کہ وہ بیعتِ رضوان میں شریک تھے؛ اس لیے انھیں بھی حصّہ دیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہم نے خیبر فتح کرلیا تو ہم کو فراوانی حاصل ہوئی، اس کے بعد مہاجرین نے انصاروں کے کھجور کے درخت جو انھیں دیے تھے شکریہ کے ساتھ واپس کردیے۔

انصاف کی وجہ سے ہی زمین وآسمان قائم ہیں

جب غلہ اور اناج کی کٹائی کا وقت آتا تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو خیبر بھیجا جاتا، وہ زمین پر تمام پیداوار کے دو حصے کرکے ڈھیر لگا دیتے اور یہود سے کہتے: ان میں سے جو چاہو پسند کرلو۔

ایک مرتبہ یہود نے اندازے میں غلطی کی شکایت کی اور اپنی عورتوں کے زیور جمع کرکے انھیں لالچ دینا چاہی۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول کے دشمنو! تم مجھے لالچ دیتے ہو؟ میں اس شخص کی طرف سے آیا ہوں جن کو میں دنیا میں سب سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں، مجھے تم سے بندروں اور سوروں سے بھی زیادہ نفرت ہے؛ لیکن تم سے نفرت اور میرے آقا سے محبّت بھی مجھے انصاف کرنے سے نہیں روک سکتی!

یہ سن کر یہود نے کہا: بیشک زمین وآسمان اسی انصاف کی وجہ سے قائم ہیں۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد پیداوار کی تقسیم کے لیے حضرت عبداللہ بن سہل انصاری رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا گیا، ان کو یہودیوں نے شہید کردیا؛

چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی دیت (خون کے بدلے) میں ان کے خاندان والوں کو سو اونٹ عطا فرمائے۔

ان کے بعد حضرت جبّار بن صحریہ رضی اللہ عنہ یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ
گوشت نے کہا: مجھ میں زہر ہے

خیبر کے تمام قلعے فتح ہو جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ دن وہاں قیام فرمایا، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خیبر کی ''مکیدہ'' نامی جگہ پر مقیم تھے تو ایک رات زینب بنتِ حارث نے جو یہودی سردار: سلام بن مشکم کی بیوی تھی اور مرحب کے بھائی کی بیٹی تھی، ایک بھنی ہوئی بکری آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھیجی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دستر خوان پر بیٹھ گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابھی پہلا لقمہ ہی چبایا تھا کہ اسے آپ نے منہ سے فوراً نکال دیا، اور فرمایا کہ: اس میں زہر ملا ہوا ہے۔

ساتھ میں حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے بھی کچھ انوکھا پن محسوس کیا؛ مگر تھوکنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے ادبی کا خیال آیا؛ اس لیے وہ اس نوالے کو نگل گئے؛ چناں چہ اس زہر کی وجہ سے وہ اسی جگہ شہید ہو گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کے لیے بدلہ نہیں لیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود کے سردار اور زینب کو بلایا اور پوچھا کہ: گوشت میں زہر کس نے ملایا ہے؟

زینب نے کہا: میں نے ملایا تھا؛ اس لیے کہ آپ نے میرے شوہر، باپ اور بھائی کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔

میں نے سوچا کہ اگر آپ سچّے نبی ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو بتلا دیں گے، نہیں تو ہم کو آپ سے نجات مل جائے گی، اب میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچّے نبی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کے لیے بدلہ نہیں لیا؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو چھوڑ دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ کے ورثا کے حوالے کر دیا، انھوں نے اسے قصاص (بدلے) میں قتل کر دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید بھی ہیں

اِس واقعے کے تین سال بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی، مرض الموت میں جب حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ کی والدہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت کرنے آئیں تو فرمایا: اے بشر کی ماں! تیرے بیٹے کے ساتھ خیبر میں جو کھانا کھایا تھا، اس وقت سے میں محسوس کر رہا ہوں کہ میرے دل کی رگ اس کی وجہ سے کٹ رہی ہے۔

اس لیے امام زہری رحمہ اللہ آپ کی وفات کو ''شہادت'' کہتے ہیں۔

حبشہ کے مہاجرین کی آمد

فتحِ خیبر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی: حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ حبشہ سے خیبر پہنچے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور سینے سے لگا کر فرمایا: یہ دو خوشیاں ہیں، اللہ

کی قسم! میں نہیں بتا سکتا کہ مجھے کس چیز سے زیادہ خوشی ہوئی، خیبر کی فتح سے یا جعفر کے آنے سے؟

صلح حدیبیہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرینِ حبشہ کو واپس لانے کے لیے حضرت عمرو بن امیّہ ضمری رضی اللہ عنہ کو نجاشی بادشاہ کے پاس بھیجا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی مالِ غنیمت میں سے حصّہ دیا؛ حالاں کہ وہ بیعتِ رضوان میں شریک نہیں تھے اور خیبر کی فتح میں بھی شریک نہیں تھے۔

یہ کل سولہ مرد اور ان کے بیوی بچے تھے، ان میں سے اکثر لوگ پہلے ہی مدینہ آ چکے تھے، نجاشی نے بڑے اہتمام کے ساتھ انھیں دو کشتی میں سوار کر کے مدینہ بھیجا۔

ایک مردِ مؤمن کا اخلاص

اسی غزوے میں ایک دیہاتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایمان لے آیا، پہلے قلعے کے فتح ہونے کے بعد جب مالِ غنیمت ہاتھ آیا تو اس کا حصّہ بھی نکالا گیا، اس وقت وہ لشکر کے پچھلے حصے میں پہرہ دے رہا تھا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا حصّہ اس تک پہنچایا تو وہ کہنے لگا: یہ کیا ہے؟ کہا: یہ وہ حصّہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے لیے نکالا ہے۔

وہ اپنا حصّہ لے کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا: میں اِس لالچ کے لیے آپ پر ایمان نہیں لایا تھا؛ میری تمنّا یہ ہے کہ تیر آ کر میری گردن پر لگے، میں شہید ہو کر جنّت میں پہنچ جاؤں!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تو نے سچ کر دکھایا تو تیری تصدیق کا تجھے ضرور بدلہ ملے گا۔

چناں چہ دوبارہ لڑائی شروع ہوئی، اس کے بعد شہیدوں میں اس کی لاش ملی،

اسے دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا: اس نے اپنا وعدہ سچ کر کے دکھایا، آپ ﷺ نے اپنا مبارک جبہ اس کے کفن کے لیے عطا فرمایا اور یہ دعا فرمائی: اے اللہ! یہ تیرا بندہ تیرے راستے میں مہاجر نکلا، شہادت کے شوق میں جان دی، میں اس پر گواہ ہوں۔ (بخاری)

خودکشی حرام ہے

لڑائی بڑی زور سے جاری تھی، ایک مجاہد بڑی بہادری سے آگے بڑھ بڑھ کر مقابلہ کر رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ دوزخی ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دیکھ رہے تھے کہ وہ بہت تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا اور کافروں کا کوئی آدمی زندہ نہیں چھوڑتا تھا، اتنے میں اسے ایک گہرا زخم لگا اور وہ گر پڑا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے واپس کہا: اے اللہ کے رسول! جسے آپ نے دوزخی فرمایا وہ آدمی لڑتا لڑتا شہید ہو گیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: وہ دوزخ میں گیا۔ لوگوں کو شک ہوا تو اسے پاس جا کر دیکھا، وہ مرا نہیں تھا، زندہ تھا، اسے اٹھا کر لائے، زخموں کی تکلیف بڑھی تو اس نے اپنی تلوار زمین میں گاڑ دی اور اس کی نوک اپنے سینے میں اتار کر خودکشی کر لی۔

جنّت میں سوائے مؤمن کے اور کوئی نہیں جائے گا

لوگ دوڑتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی بات سچ کر کے دکھلائی، یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ: لوگوں میں جا کر یہ

اعلان کر دو: جنّت میں سوائے مؤمن کے اور کوئی نہیں جائے گا، بے شک اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد فاجر آدمی سے بھی لے لیتے ہیں۔

حضرت صفیّہ رضی اللہ عنہا کا خواب

قلعۂ قموص کے فتح ہونے کے وقت ایک عجیب دل چسپ واقعہ پیش آیا، جس کو خود حضرت صفیّہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: یہ یہود کے سردار ''حیی بن اخطب'' کی بیٹی تھی اور ان کا نکاح دوسرے قلعے کے سردار ''کنانہ'' سے ہوا تھا۔

وہ فرماتی ہیں کہ: ایک مرتبہ میں اپنے شوہر کی گود میں سر رکھ کر سو رہی تھی، اس وقت اچانک میری آنکھ لگ گئی، میں نے ایک خواب دیکھا کہ ''یثرب'' سے ایک چاند اٹھا اور آکر میری گود میں گر گیا۔

بیدار ہونے کے بعد میں نے اپنے شوہر کے سامنے یہ خواب بیان کیا، میرے شوہر نے جیسے ہی یہ خواب سنا تو غصے ہو گیا اور بہت زور سے میرے چہرے پر طمانچہ مار دیا، وہ تورات کا عالم تھا اور خواب کی تعبیر کا بھی بڑا ماہر تھا، وہ اس خواب کی تعبیر فوراً سمجھ گیا اور کہنے لگا: کیا تو یثرب کے بادشاہ کی بیوی بننے کا خواب دیکھ رہی ہے؟

اسے کیا معلوم تھا کہ حضرت صفیّہ رضی اللہ عنہا نے مستقبل میں ہونے والی حقیقت کو خواب کی شکل میں دیکھ لیا ہے!

نکاح کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر ان کے چہرے پر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا تھا کہ: اے صفیّہ! تمھارے چہرے پر یہ ہرے نشانات کس چیز کے ہیں؟ اس موقع پر حضرت صفیّہ رضی اللہ عنہا نے یہ پورا واقعہ سنایا تھا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

جنگ ختم ہونے کے بعد جب قیدیوں کو لایا گیا تو ان قیدیوں میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، مالِ غنیمت کی تقسیم میں وہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی تھیں؛ مگر لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ: یہ سردار کی بیٹی ہے؛ لہٰذا مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو راضی کر کے ان کے بدلے میں ان کو دوسرا بدلہ عطا فرمایا۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو میں اس کا بدلِ کتابت ادا کردوں اور وہ واپس اپنے گھر والوں کے پاس چلی جائیں اور اگر چاہیں تو میں اس سے نکاح کرلوں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ: اے اللہ کے رسول! میں آپ سے نکاح کرنا چاہتی ہوں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قدیم خیبر میں "الصحبہ" نامی پہاڑ کے پاس پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کرلیا۔

سادگی کے ساتھ نکاح

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان سے نکاح کیا تو کچھ حضرات کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان سے نکاح ہوا ہے، قریب میں جو حضرات تھے بس وہ نکاح میں شامل ہوئے؛ حالاں کہ پورا اسلامی لشکر وہاں موجود تھا، یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سادگی کا حال تھا۔

صحابۂ کرام ﷡ اس بات کے منتظر تھے کہ ہم جب یہاں سے روانہ ہوں گے، اس وقت پتا چلے گا کہ حضور ﷺ نے ان کو بحیثیتِ باندی رکھا ہے یا ان سے نکاح کیا ہے؛ کیوں کہ اگر حضور ﷺ نے ان سے نکاح کیا ہوگا تو آپ ﷺ ان کے ساتھ سوار ہوں گے اور ان سے پردہ کروائیں گے اور اگر بطورِ باندی رکھا ہے تو آپ ﷺ ان کے ساتھ سوار نہیں ہوں گے اور ان سے پردہ نہیں کروائیں گے۔

حضرت صفیّہ رضی اللہ عنہا کی ذہانت

جب رخصتی کا وقت آیا تو حضور ﷺ یہ چاہتے تھے کہ یہیں خیبر میں رخصتی ہو؛ مگر حضرت صفیّہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے خاندان کے لوگ آگ بگولہ (جلے بھنے) ہیں، اس جگہ رخصتی نہ کی جاوے تو زیادہ بہتر ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی اس رائے کو پسند کیا اور قبول بھی فرما لیا اور خیبر سے آگے جا کر ایک مقام ''صحباء'' میں تین دن قیام فرما کر آپ ﷺ نے ان کی رخصتی فرمائی۔

آپ ﷺ کا ولیمہ

اس کے بعد ولیمے کی باری تھی؛ چوں کہ یہ موقع لشکر کی واپسی کا تھا؛ اس لیے کھانے کا سامان بھی زیادہ بچا نہیں تھا، حضور ﷺ نے صحابۂ کرام ﷡ میں یہ اعلان فرمایا کہ: جس کے پاس جو کچھ بچا ہوا ہو، وہ یہاں لے آویں؛ چناں چہ کوئی خشک کھجوریں لایا، کوئی بھنے ہوئے ستّو لایا، اس طرح جس کے پاس جو کچھ بچا تھا سب نے لا کر وہاں رکھ دیا۔

بعض روایت میں ہے کہ اس میں گھی ڈال کر ''ہریسہ'' جیسا بنایا گیا۔

جب کہ دوسری بعض روایات سے پتا چلتا ہے کہ ایسے ہی یہ تمام چیزیں خشک (Dry fruit) شکل میں لوگوں کو کھانے کے لیے پیش کی گئی اور تمام لوگوں نے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا، یہ تھا تمام انبیا کے سردار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ولیمہ!

میں کہا کرتا ہوں کہ: ولیمے کی سنّت ادا کرنے کے لیے دولہے کے گھر جا کر ہی کھانا کھانا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ اپنے گھر سے لے جا کر سب کے ساتھ بیٹھ کر کھانے کی وجہ سے بھی ولیمہ ادا ہو جاتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ سادگی امّت کے لیے ایک سبق

دوسری اہم بات یہ ہے کہ اگر اللہ کے نبی چاہتے تو آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے اپنے ولیمے کے لیے آسمان سے بھی دسترخوان اتروا سکتے تھے، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دعا کرنے کی وجہ سے آسمان سے دسترخوان اتر سکتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو تمام انبیا کے سردار تھے: بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطالبے پر تو جنّت بھی اتاری جا سکتی تھی۔

مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کچھ نہیں کیا؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اس عمل مبارک سے اپنی امّت کے لوگوں کو یہ تعلیم دینا چاہتے تھے کہ اگر کسی کو شادی اور ولیمہ کرنا ہو تو اِس طرح بھی کیا جا سکتا ہے۔

خیبر کی فتح کے متعلق آیات کا نزول

جب سن چھ ہجری میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مکہ مکرمہ میں عمرہ ادا کرنے سے روکا گیا اور کڑوے، کڑوے شرائط پر حدیبیہ میں صلح نامہ تیار ہوا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس وجہ سے بہت غم زدہ تھے؛ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرما کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو تسلّی دی

اور سکینہ نازل فرما کر ان کے دلوں کو ٹھنڈا کیا، نیز اللہ تعالیٰ نے یہ بشارت بھی دی کہ قریب زمانے ہی میں تم کو فتح اور بہت سارا مالِ غنیمت حاصل ہوگا:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴿۱۸﴾ وَّ مَغَانِمَ كَثِیْرَةً یَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۱۹﴾

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ (ان) ایمان والوں سے خوش ہوگئے جب کہ وہ تم سے (ایک) درخت کے نیچے (جہاد میں جم کر رہنے پر) بیعت کرنے لگے، سو ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اس (اللہ تعالیٰ) کو وہ معلوم تھا، پھر اس (اللہ تعالیٰ) نے ان (مسلمانوں) پر دل کا اطمینان اتارا اور ان کو نزدیک کی ایک فتح (خیبر کی) انعام میں عنایت فرمائی ﴿۱۸﴾ اور بہت ساری غنیمتیں بھی (دیں) جن کو وہ حاصل کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست، بڑے حکمت والے ہیں۔

اِس آیتِ کریمہ میں فتح سے مراد "فتحِ خیبر" ہے۔

اور ایک آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ۙ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِیْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴿۲۷﴾

ترجمہ: پکی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا جو حقیقت کے بالکل مطابق ہوا کہ تم ضرور ان شاء اللہ! مسجدِ حرام میں امن و امان کے ساتھ داخل ہوں گے (اس طرح کہ تم میں سے بعض حضرات) اپنے سر منڈواتے اور (کچھ حضرات)

بال کٹواتے ہوں گے (اور) تم کو (کسی طرح کا) خوف نہیں ہوگا، سو وہ (اللہ تعالیٰ) ان باتوں کو جانتے ہیں جو تم نہیں جانتے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس (مسجدِ حرام میں داخل ہونے کے خواب کو پورا ہونے) سے پہلے ایک بہت قریب کی فتح (یعنی خیبر کی) عنایت کر دی۔

گویا اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ کے غم کا مداوا اِس خیبر کی فتح کے ذریعے کیا، اس میں مسلمانوں کو بہت زیادہ مالِ غنیمت حاصل ہوا۔

بہت ساری تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ اسی خیبر کے مالِ غنیمت کے ذریعے مسجدِ نبوی کی توسیع عمل میں آئی تھی۔

خیبر سے بہت سارے اسلامی احکام وابستہ ہیں

یاد رہے کہ خیبر سے بہت سارے اسلامی احکام بھی وابستہ ہیں:

① روایتوں میں ہے کہ گدھے کے گوشت کی حرمت کا حکم خیبر میں آیا تھا۔

② اسی طرح متعہ کی حرمت کا حکم بھی اسی خیبر میں نازل ہوا تھا۔

③ پنجے دار پرندے کا کھانا خیبر میں حرام قرار دیا گیا۔

④ اب تک باندیوں سے فوراً افائدہ اٹھانا جائز تھا، اس پر پابندی لگا دی گئی۔

⑤ سونا اور چاندی کمی بیشی کے ساتھ خریدنا، بیچنا حرام کیا گیا۔

الحمد للہ! بدھ کے دن رات بھی ہم نے خیبر میں گزاری اور صبح کے وقت بھی ہم خیبر میں موجود ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے جو انوار و برکات ہیں اس سے بڑی مقدار میں ہم سب کو محظوظ اور منور و معمور فرماوے، آمین!

مقامِ فدک میں

آج بدھ کا دن ہے، دوپہر کا وقت ہے، اِس وقت ہم ''فدک'' میں موجود ہیں، یہ خیبر سے آگے ایک شاداب بستی کا نام ہے، فدک کو آج کل ''حائط'' بھی کہا جاتا ہے۔

یہاں بھی ہمارے بہت سارے اسلامی تاریخ سے جڑے مقامات ہیں۔

سریۂ حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ

ہم اِس وقت فدک میں جس جگہ موجود ہیں، وہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سن ہجری سات میں حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر تیس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جنگ کے لیے روانہ فرمایا تھا۔

دراصل یہاں کا ایک قبیلہ جس کا نام ''بنو مرّہ'' تھا، یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دشمنی میں آگے رہتے تھے اور جب بھی موقع ملتا مسلمانوں کو تکلیف اور نقصان پہنچانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے، ان کی اسی عداوت و دشمنی کو ختم فرمانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف بھیجا تھا۔

جب یہ حضرات ان کے علاقے میں آئے تو انھوں نے دیکھا کہ اس جگہ صرف کچھ چرواہے نظر آرہے ہیں، جو بکریاں چرا رہے ہیں، انھوں نے چرواہوں سے پوچھا، انھوں نے کہا کہ: اس بستی کے لوگ جنگل میں گئے ہوئے ہیں؛ لہٰذا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ان چرواہوں کے پاس سے ان کے جانوروں کو غنیمت کے طور پر لے کر روانہ ہوئے۔

بنو مرّہ کے لوگوں کو پتا چلا تو انھوں نے پیچھا کیا اور ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو گھیر لیا، رات بھر دونوں طرف سے تیر اندازی ہوتی رہی، ایک وقت ایسا آیا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

کے تیر ختم ہو گئے؛لہذا ان کو تلوار سے مقابلہ کرنا پڑا۔

حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی چالاکی

چناں چہ ایک طرف پورا قبیلہ تھا، دوسری طرف صرف تیس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تھے؛ اس لیے یہ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے بھی بڑا سخت مقابلہ کیا اور آخرکار زخمی ہو کر گر گئے؛لیکن ان میں جان باقی تھی۔

دشمن اس بات کی جانچ کرنے کے لیے کہ وہ مر چکے ہیں یا زندہ ہیں ان کی ایڑی پر مارنے لگے؛لیکن حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے بہت چالاکی سے اپنی سانس بند کر دی؛ لہذا وہ ان کو مردہ سمجھ کر اسی جگہ چھوڑ کر چلے گئے۔

جب رات ہوئی تو آپ وہاں سے کھڑے ہوئے، قریب میں ایک یہودی کے گھر پر کچھ دن تک مقیم رہے، اس کے بعد جب آپ چلنے کے قابل ہوئے تو مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور مدینہ آ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پورے حالات بیان کیے۔

سریۂ حضرت غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

ہم اِس وقت جس جگہ کھڑے ہیں اس طرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سن ہجری آٹھ صفر کے مہینے میں حضرت غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دو سو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایک سریّہ لے کر روانہ فرمایا تھا۔

اِس سرّیہ کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کو اس جگہ شہید کر دیا گیا تھا، ان کا انتقام لینے کے لیے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو اس جگہ روانہ فرمایا تھا۔

ان دوسو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، یہ حضرات یہاں آئے اور انھوں نے دشمنوں پر سخت حملہ کیا، نیز راستے میں جو بھی مقابلے کے لیے آیا اس کا کام تمام کردیا۔

یہاں سے مالِ غنیمت کے طور پر بہت سارے جانور ان کے ہاتھ لگے اور یہ حضرات سالماوغانما مدینہ منوّرہ واپس لوٹے۔

فدک کا مقبرہ

یہاں فدک میں ایک جگہ احاطے میں مقبرہ ہے، کہا جاتا ہے کہ: یہاں وہ ۲۹/ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی قبریں ہوسکتی ہیں جو حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ سریے میں یہاں تشریف لائے تھے۔

اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو نور سے منور فرمائے، جنّت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرماوے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرماوے، آمین۔

فدک کی زمین

حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت خیبر میں مقیم تھے، اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی حضرت محیّصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو فدک کے یہودیوں کے پاس بھیجا کہ جاکر ان کو اسلام کی دعوت دے؛ لیکن وہ اسلام لانے میں تاخیر کرتے رہے، کوئی جواب نہیں دیا۔

اس کے بعد جب فدک کے یہودیوں کو پتا چلا کہ خیبر فتح ہوگیا؛ لہٰذا انھوں نے سامنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیش کش کی کہ ہمارے ساتھ بھی خیبر کے یہود کی طرح

معاملہ کیا جاوے؛ یعنی ہمارے پاس زمینوں کو باقی رکھا جاوے اور سالانہ ہم آپ کو خراج ادا کیا کریں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو رحمۃ للعالمین تھے؛ اس لیے فوراً ان کی پیش کش کو قبول فرمالی؛ لیکن ان کے ساتھ بھی یہ شرط رکھی گئی کہ جب ہم چاہیں گے تم کو یہاں سے نکال دیں گے۔

مالِ فئ کا حکم

جو مال بغیر لڑائی کے حاصل ہو اس کو ''مالِ فئ'' کہتے ہیں۔

فدک کا علاقہ بغیر لڑائی کے حاصل ہوا تھا؛ اس لیے یہ مالِ فئ ہوا اور مالِ فئ میں نبی کو مکمل اختیار ہوتا ہے؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس باغات کو خاص اپنے لیے رکھا۔

اس میں سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذات، ازواجِ مطہرات اور بنو ہاشم کے غیر شادی شدہ بچّوں پر خرچ کیا کرتے تھے؛ کیوں کہ بنو ہاشم کے لیے زکوۃ اور صدقات کا مال لینا درست نہیں تھا۔

آج بھی دور دور تک کچھ جگہ ہریالی موجود ہے، اس باغ کا کچھ حصّہ بعد میں جل گیا تھا، اس کے کھنڈرات بھی موجود ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں تو یہ باغ آپ ہی کی ملکیت میں تھا؛ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا قانونِ شرعی کے مطابق اس باغ میں اپنے میراث کے حصے کی چاہت رکھتی تھی۔

انبیا کا کوئی وارث نہیں ہوتا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو منع فرمادیا؛ کیوں کہ ان کے سامنے اللہ کے

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث تھی:

لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ. (البخاري:٤٠٣٥)

ترجمہ: ہم انبیا کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہے، ہم جو بھی چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

لہٰذا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جب یہ حدیث معلوم ہوئی اس کے بعد انھوں نے یہ مطالبہ چھوڑ دیا۔

فدک کے قدیم علاقے پر ایک طائرانہ نظر

مقامِ فدک میں مشہور باغات وغیرہ کی زیارات سے فارغ ہونے کے بعد وہاں کا ایک قدیم علاقہ دیکھنے کو نصیب ہوا، یہ فدک کا قدیم علاقہ کہا جاتا ہے، ہم نے جب وہاں جا کر اس کی زیارت کی تو حیران رہ گئے، خالص مٹی اور لکڑی سے بنے ہوئے مکانات، پتھروں کے محلے، مکان کے بالاخانے، کنویں، راستے ہر چیز نہایت قدیم طرز کی تھی۔

مسجدیں کچی تھیں؛ لیکن نمازی پکے تھے

مسجد کا فرش کنکریوں کا تھا، اس کی چھت لکڑیوں کی تھی، چاروں طرف مٹی اور چھت بالکل جھکی ہوئی تھی، اتنی زیادہ جھکی ہوئی تھی کہ ایک درمیانی قد کے انسان کا سر بھی اس میں ٹکرا جانے کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔

خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجدِ نبوی کا حال بھی اسی طرح کا تھا کہ چاروں طرف مٹی تھی، مسجد کی چھت کھجور کے تنوں سے بنائی گئی تھی، جس کی وجہ سے بارش کے موسم

میں بارش کا پانی بھی مسجد کے فرش پر ٹپکتا رہتا تھا!

بخاری شریف میں حدیث ہے:

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ ﷺ، قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ ﷺ فَقَالَ: جَاءَتْ سَحَابَةٌ فَمَطَرَتْ حَتَّى سَالَ السَّقْفُ، وَكَانَ مِنْ جَرِيدِ النَّخْلِ، فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِي الْمَاءِ وَالطِّينِ، حَتَّى رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّينِ فِي جَبْهَتِهِ. (البخاری، کتاب الاذان، رقم الحدیث: ٦٦٩)

ترجمہ: حضرت ابوسلمہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدری ﷺ سے (شب قدر کو) پوچھا، انھوں نے فرمایا کہ: بادل کا ایک ٹکڑا آیا اور برسا؛ یہاں تک کہ (مسجد کی چھت) ٹپکنے لگی جو کھجور کی شاخوں سے بنائی گئی تھی، پھر نماز کے لیے تکبیر ہوئی، میں نے دیکھا کہ حضرت نبی کریم ﷺ کیچڑ اور پانی میں سجدہ فرمارہے ہیں، کیچڑ کا نشان آپ ﷺ کی پیشانی پر بھی میں نے دیکھا۔

لیکن یہ بات تو ہے کہ بھلے ہی اس زمانے پرانی مسجدیں تھیں؛ مگر ان میں نماز ادا کرنے والے نمازی ایسے ہوا کرتے تھے کہ وہ اپنی نماز و دعا کے ذریعے آسمان سے غیبی مدد نازل کروایا کرتے تھے۔

پہلے مسجدیں تھیں کچی	تو پکے تھے نمازی
آج مسجدیں ہیں پکی	تو کچے ہیں نمازی

قدیم زمانے کی یاد تازہ ہوگئی

وہاں کے مکانات کا حال یہ تھا کہ ان کی دیواریں خالص مٹی کی تھی، چھت کھجور کی ٹہنیوں سے بنی ہوئی تھی، نیز یہاں اکثر مکانات دو منزلہ اور ان پر چڑھنے کے واسطے

کھجور کی ٹہنی سے بنی ہوئی سیڑھیاں تھیں، یہاں کے محلات تنگ تو تھے؛ لیکن نہایت صاف ستھرے تھے، یہاں آکر واقعی قدیم زمانے کی یادیں تازہ ہوجاتی ہیں۔

اور یہاں کے مکانات کی کھڑکیاں اور بالا خانے اس نہج پر تیار کیے گئے ہیں کہ انسان بغیر کسی لائٹ جلائے محض سورج کی روشنی سے لکھ پڑھ سکتا ہے، جب کہ اس کے برخلاف آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی مکانات میں کبھی مطبخ (kitchen)، بیت الخلاء (toilet) میں دن کے وقت بھی لائٹ جلانا پڑتا ہے!

پیارے آقا ﷺ کے بالا خانے کی سیڑھیاں بھی کھجور کے شہتیروں کی

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: جس وقت اللہ کے رسول ﷺ نے ازواجِ مطہرات کے ساتھ ایک مہینے کے لیے ایلاء کیا تھا، اس وقت آپ ﷺ بالا خانے میں تشریف لے گئے، جس کی سیڑھیاں کھجور کی شہتیروں کی بنی ہوئی تھی۔ (بخاری شریف، کتاب الصلاۃ، رقم الحدیث: ۳۷۸)

اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے پیارے آقا ﷺ نے بھی اس طرح کی چیزیں استعمال کی تھی۔

فدک کی زیارت بھی کرنی چاہیے

بندہ ہر زائر سے یہ درخواست کرتا ہے کہ اِن متبرک مقامات کے دورے میں وہ فدک کے اس مقام کی بھی ضرور زیارت کرے، اس کی وجہ سے ایک تو پرانے زمانے کی یاد تازہ ہوتی ہے، سادگی کیسی ہوتی ہے وہ ہماری سمجھ میں آتا ہے۔ نیز اس کا ایک

فائدہ یہ ہوگا کہ آج کل تعمیرات کے سلسلے میں جو اسراف اور فضول خرچی ہو رہی ہے، اس سے بچنے کی ان شاء اللہ! توفیق ہوگی۔

ساتھ ہی لوگ جو محض اٹکل لگاتے پھرتے ہیں کہ جدید تعمیرات اور ٹیکنالوجی ہی میں راحت اور آرام ہے، ان کا یہ خیال اس جگہ آکر باطل ہو کر رہ جاتا ہے؛ کیوں کہ اس جگہ بھلے ہی لکڑی کے اور مٹی سے بنے مکانات ہیں؛ مگر یہاں آکر بدن کو اتنی ٹھنڈک اور دل کو اتنا سکون وسرور ملتا ہے کہ دل باغ باغ ہو جاتا ہے!

اس سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں آبادیاں، محلات، مکانات اور مساجد کیسے ہوا کرتے تھے۔

الغرض! ''فدک'' جا کر وہاں دورِ نبوت اور دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یادیں تازہ ہو گئیں۔

مکانت کے متعلق چند ضروری باتیں

آج کل جدید نہج اور طور وطریق پر جو مکانات تعمیر کیے جاتے ہیں، اس کے متعلق چند ضروری باتیں عرض کی جاتی ہیں:

(۱) مکان کا نقشہ اس طرح تیار کیا جاوے کہ آدمی کو جب بھی نماز وغیرہ ادا کرنا ہو تو قبلے کی طرف رخ کرنے میں اس کے لیے آسانی ہو، قرآنِ کریم میں ہے:

وَاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ.(یونس:۸۷)

ترجمہ: اور تم اپنے گھروں کا رخ قبلے کی طرف بناؤ۔

(۲) مکان کا نقشہ اس طرح بنایا جاوے کہ بیت الخلا میں داخل ہوتے وقت انسان کا رخ قبلے کی طرف نہ ہونے پاوے۔

(۳) مکان کو اس طریقے پر بنایا جاوے کہ گھر کی مستورات کے لیے پردہ آسان

ہو جاوے، آج اکثر مکانات اس طرح تعمیر کیے جاتے ہیں کہ دیوان خانہ (sitting room) میں بیٹھ کر آدمی کی نظر سیدھی مطبخ (kitchen) کی طرف جاتی ہے، اس سے پردے کا لحاظ بالکل نہیں ہوتا ہے۔

④ کھڑکی، دروازے اس طرح ہو کہ دن کے وقت بالکل بجلی جلانے کی نوبت نہ آوے، تمام کمروں میں برابر روشنی آتی ہو، ساتھ ہی ہوا کی آمد و رفت کا بھی معقول انتظام ہو۔

⑤ اگر مکان کا ہر کمرہ قبلہ رخ بنانے میں دقت و پریشانی لاحق ہوتی ہو تو کمروں میں قبلے کی جانب کوئی نشان لگا دیا جاوے؛ تاکہ اس کے ذریعے آنے والے مہمانات کے لیے قبلہ رخ معلوم کرنے میں آسانی ہو۔

⑥ ہم مکانات تعمیر کرتے وقت نمائش (decoration) پر زیادہ توجہ نہ دیوے؛ کیوں کہ یہ عمل شریعت کی نگاہ میں پسندیدہ نہیں ہے، سہولیات اور آرام کا سامان فراہم کرنے سے منع نہیں ہے، البتہ اس میں اسراف پسندیدہ نہیں ہے۔

اس سلسلے میں بندے کا ایک مفصل خطاب بھی ہے جو ''خطباتِ محمود'' کتاب میں چھپا ہوا بھی ہے۔

سریّہ حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ

بدھ کا دن مغرب سے پہلے کا وقت ہے، ہم فدک میں جس جگہ موجود ہیں وہاں شعبان سن چھ ہجری میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے ساتھ روانہ فرمایا تھا۔

دراصل اس جگہ مشرکوں کا ایک قبیلہ رہتا تھا جس کا نام ''بنو سعد'' تھا، یہ بھی اللہ کے

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سخت دشمن تھے اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے؛ چناں چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے رفقا کے ساتھ اس علاقے کی طرف روانہ ہوئے، یہ لوگ رات میں سفر کرتے تھے اور دن میں چھپ جایا کرتے تھے۔

جب یہ لوگ یہاں پہنچے تو ان کو راستے میں ایک آدمی ملا، انھوں نے اس سے پوچھا کہ: بنوسعد کے لوگ کہاں رہتے ہیں؟

اس نے کہا کہ: میں ایک شرط پر ان کا پتا بتلاتا ہوں کہ آپ لوگ مجھے امان دیں گے۔ انھوں نے شرط منظور کرلی۔ جب یہ لوگ ان کے علاقے میں گئے تو وہ لوگ اپنی عورتوں کو لے کر جنگلات میں چلے گئے۔

انھوں نے ان کے جانوروں کو قبضہ میں لے لیا، جن میں پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں تھیں اور ان کو لے کر صحیح وسالم مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

غزوۂ غطفان

بدھ کے دن مغرب سے پہلے مقامِ فدک میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سریہ والی جگہ کی زیارت کرکے ہمارا قافلہ مدینہ منورہ کی طرف رواں دواں ہے، مدینہ جاتے وقت راستے میں ایک ''نخیل'' نامی جگہ پڑتی ہے، یہ وہ جگہ ہے جہاں ۱۰/ربیع الاوّل سن ۳/ ہجری میں ایک غزوہ پیش آیا تھا، اس غزوے کا نام غزوۂ غطفان ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی تھی کہ ''قبیلۂ بنوثعلبہ'' اور ''بنومحارب'' مقامِ ذی امر میں جمع ہورہے ہیں، ''دعثور بن الحارث'' لوگوں کو جمع کررہا تھا اور ان کا ارادہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا تھا۔

چناں چہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار سو پچاس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر نکلے، جب

ان کو پتا چلا کہ حضور ﷺ آ رہے ہیں تو وہ پہاڑوں میں چھپ گئے، صفر کا پورا مہینہ آپ ﷺ نے یہاں قیام فرمایا؛ لیکن کسی کی مقابلے کے لیے آنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟

اِس غزوے کا ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے، بارش کی وجہ سے کپڑے بھیگ گئے تھے، حضور ﷺ نے بھی اپنے کپڑے سکھانے کے لیے ایک درخت سے لٹکا دیے اور سایے میں آرام فرمانے لگے۔

پہاڑ سے بنی محارب کا سردار دعثور یہ منظر دیکھ رہا تھا، فوراً تلوار لے کر آپ ﷺ کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟

آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ!

اتنا اعتماد اور یقین سے بھرا یہ جواب تھا کہ اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی، اب حضور ﷺ نے وہ تلوار اٹھالی اور اس سے وہی سوال کیا۔ اس نے جواب دیا: کوئی نہیں!

اس کے بعد اس نے کلمہ پڑھ لیا اور اپنی قوم میں جا کر تبلیغ کی ذمّے داری لی، اسی کے بارے میں سورۂ مائدہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ (المائدۃ)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا احسان جو تم پر ہے اس کو یاد رکھو (خاص کر کے) جب کہ ایک قوم نے تم پر اپنا ہاتھ چلانے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ تم (کو نقصان پہنچانے) سے روک دیے اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ایمان والوں کو تو

اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ غزوۂ ذات الرقاع میں بھی پیش آیا تھا۔(سیرتِ احمدِ مجتبیٰ، ج:۲، ص:۲۷۷)

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحیح وسالم واپس مدینہ منورہ آ گئے، اس غزوہ کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کی آس پاس کے مشرک قبائل میں مسلمانوں کا رعب اور دبدبہ بیٹھ گیا۔

سریّہ حضرت عُکّاشہ بن مِحصَن رضی اللہ عنہ

اس وقت ہم ''تیما'' اور ''وادیٔ علیٰ'' کے درمیانی علاقے میں ہیں، یہاں موجود پہاڑوں کو دیکھ کر ذہن میں قرآنِ مجید کی یہ آیتیں گردش کرنے لگتی ہیں:

وَاِلَى الۡجِبَالِ كَيۡفَ نُصِبَتۡ ﴿۱۹﴾ (الغاشیۃ)

ترجمہ: اور پہاڑوں کو (نہیں دیکھتے) کہ وہ کیسے کھڑے کر دیے گئے (کہ وہ اپنی جگہ سے ہلتے نہیں)۔

وَمِنَ الۡجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيۡضٌ وَّحُمۡرٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهَا وَغَرَابِيۡبُ سُوۡدٌ ﴿۲۷﴾ (الفاطر)

ترجمہ: اور پہاڑوں میں بھی سفید اور لال الگ الگ رنگ کے (الگ الگ) حصے (یعنی ٹکڑے یا گھاٹیاں) ہیں، (دوسرے) گہرے کالے رنگ کے بھی ہیں۔

اِس جگہ ہم نے ایک ایسا پہاڑ دیکھا کہ اس میں بیک وقت لال، ہرے اور کالے رنگ کی مٹی اور پتھر موجود تھے!

یہ ''قبیلۂ عذراء'' اور ''بلی'' کا علاقہ ہے، یہ علاقہ ملکِ شام کے راستے میں واقع ہے، اُس دور میں یہ قبیلے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے شام جانے والے قافلوں کے لیے خطرہ بنے ہوئے تھے۔

چناں چہ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تنبیہ فرمانے کے واسطے حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ ان کی طرف روانہ فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ راستے کا پر امن ہونا بہت ضروری ہے؛ بلکہ پورے ماحول کا پر امن ہونا قرآنِ کریم نے ایک نعمت کے طور پر ذکر فرمایا ہے:

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ﴿۳﴾ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿۴﴾

ترجمہ: اس لیے ان کو چاہیے کہ وہ اس گھر (یعنی کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں ﴿۳﴾ جس نے ان کو بھوک کی حالت میں کھانا دیا، اور خوف سے ان کو امن دیا۔

سریۂ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ

اِس وقت ہم مقامِ ''خضرہ'' میں موجود ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سن ہجری ۸ ر شعبان کے مہینے میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر پندرہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس علاقے کی جانب روانہ فرمایا تھا۔

یہاں قبیلۂ غطفان آباد تھا، انھوں نے غزوۂ احزاب میں مکّہ کے کافروں کا ساتھ دیا تھا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم بڑی حکمت کے ساتھ سفر کرتے تھے، رات میں چلتے تھے اور دن میں چھپ جایا کرتے تھے، یہاں آکر اس علاقے کے لوگوں کے ساتھ کچھ جھڑپ ہوئی؛ مگر آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیابی نصیب فرمائی اور دوسو اونٹ، دو ہزار بکریاں اور کچھ عورتیں مالِ غنیمت کے طور حاصل ہوئیں، اس کے بعد صحیح وسالم یہ لوگ مدینہ لوٹے۔

غزوہ ذات الرِّقاع (نجد)

ہم مدینہ منورہ کی طرف آگے بڑھ رہے ہیں، ہم ابھی جس جگہ موجود ہیں یہ وہ علاقہ ہے جہاں ''غزوۂ ذات الرقاع'' پیش آیا تھا، یہ غزوہ سن ہجری چار اور ایک روایت کے مطابق سن ہجری سات میں پیش آیا تھا۔

حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتا چلا تھا کہ قبیلۂ انمار و ثعلبہ کے لوگ مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کا پلان کر رہے ہیں؛ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار سو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کو لے کر اس مقام کی طرف کوچ فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اس علاقے میں پہنچے تو اس علاقے کے لوگ پہاڑوں میں بھاگ گئے اور جنگ کا موقع نہیں آیا۔

اس غزوے میں پیش آنے والی مشقّت

اُس وقت مسلمان بہت ہی تنگی کی حالت میں تھے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہمارے پاس سواریوں کی اتنی کمی تھی کہ چھ آدمیوں کی سواری کے لیے صرف ایک اونٹ تھا، جس پر ہم باری باری سوار ہو کر سفر کرتے تھے، پہاڑی زمین میں پیدل چلنے کی وجہ سے ہمارے قدم زخمی اور پاؤں کے ناخن جھڑ گئے تھے، جس کی وجہ سے ہم نے اپنے پاؤں پر کپڑوں کے ٹکڑے لپیٹ لیے تھے، یہی وجہ ہے کہ اس غزوے کا نام غزوۂ ذات الرقاع پڑ گیا۔

بعض اہلِ سیر کا کہنا ہے کہ: اس جگہ لال، کالے اور ہرے رنگ کے پہاڑ ہیں، جیسے کپڑے کے مختلف رنگ ہوا کرتے ہیں؛ اس لیے اس غزوے کو غزوۂ ذات الرقاع کہا جاتا ہے۔

آج کل ہمارا حال

یہاں ایک بات قابلِ غور ہے کہ اس غزوے میں صحابۂ کرام ﷺ کے پاس اپنے پیروں میں پہننے کے لیے جوتے تک نہیں تھے، آج ہمارا حال ہے کہ ہزار ہا روپے صرف جوتے اور چپّل خریدنے میں خرچ کر ڈالتے ہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ رحم فرماوے! جیسے کپڑے ویسے جوتے پہننے کی فیشن کا ایک دور چلا ہے۔

مال کے ساتھ وقت کی بھی بربادی

بندے کا دین کی نسبت سے مشفق و محسنی شیخ المشائخ حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ کے ساتھ بیرون ملک ایک سفر میں جانا ہوا، ہم لوگ جامعہ ہی کے ایک فاضل کے گھر مقیم تھے، میں نے گھر کے باہر ان کی الماری کی طرف دیکھا تو اس میں کئی قسم کے جوتے اور چپّل رکھے ہوئے تھے۔

میں نے ان کو بلا کر پوچھا کہ: کیا آپ اِس ملک میں جوتے اور چپّل کا کاروبار کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: نہیں! آپ کو کس نے بتایا؟

میں نے کہا کہ: اتنے سارے جوتے چپّل کو دیکھ کر مجھے شک ہو گیا تو وہ ہنسنے لگے اور کہا: مفتی صاحب! ایسا نہیں ہے؛ بلکہ یہ ہماری بیویوں کے جوتے چپّل ہیں، وہ جیسے کپڑے ویسے جوتے چپّل پہنتی ہیں۔

اللہ اکبر! یہ امّت کہاں جا رہی ہے؟ ایسی چیزوں کے چکّر میں وہ اپنا مال تو برباد کر ہی رہی ہیں، ساتھ ہی ایسی میچینگ کے چکّر میں بازار در بازار گشت کر کے اپنا وقت بھی برباد کر رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سمجھ عطا فرماوے اور ایسی نا مناسب حرکتوں سے ہم سب کی مکمل حفاظت فرماوے، آمین!

سریہ حضرت ابو عبیدہ بن الجرّاح رضی اللہ عنہ

عشا کا وقت ہے، کارواں مدینہ کی طرف رواں دواں ہے، ہم اس وقت جس جگہ ہیں اس علاقے کا نام "ذوالقصّہ" ہے، یہ "ربضہ" کے راستے میں ہے۔

ہجرت کے چھٹے سال ربیع الآخر کے مہینے میں حضرت ابو عبیدہ بن الجرّاح رضی اللہ عنہ کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علاقے میں سریہ لے کر روانہ فرمایا تھا، جس میں چالیس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔

اس کی وجہ یہ تھی "کہ قبیلۂ بنو ثعلبہ" و "انمار" کے علاقے میں قحط سالی تھی، یہ لوگ یہ ارادہ کر رہے تھے کہ جس جگہ مدینہ والوں کے جانور چرتے ہیں، وہاں چھاپا مار کر ان جانوروں کو لوٹ لیتے ہیں۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی مغرب کے بعد روانہ ہوئے، صبح صادق سے پہلے مقامِ ذی القصّہ پہنچ گئے؛ مگر یہ لوگ بھاگ کر پہاڑوں میں چلے گئے، ایک آدمی پکڑا گیا، اس نے اسلام قبول کر لیا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سالماً و غانماً مدینہ منورہ واپس لوٹے۔

نوٹ: غزوۂ احد کی جگہ، غزوۂ بدر کی جگہ، غزوۂ حنین کی جگہ۔ غزوۂ طائف کی جگہ اس کی پہلے بار بار زیارت الحمد للہ! نصیب ہوئی ہے۔

بدھ کے دن رات کو مدینہ منورہ حاضری ہوئی اور مسجدِ نبوی اور روضہ مبارکہ کی زیارت اور درود و سلام پیش کرنے کا شرف الحمد للہ! حاصل ہوا اور جمعرات کے دن رات کو وطن کی طرف واپسی ہوئی۔

اختتامی کلمات

ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کا مخصوص انعام

اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان اور مالک کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہم کیسے فراموش کر سکتے ہیں کہ:

جس مبارک سرزمین پر اللہ تعالیٰ کے آخری نبی، ہم سب کے آقا و مولیٰ؛ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لاڈلے صحابہ رضی اللہ عنہم تشریف لے گئے۔

جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پہنچے۔

جہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر ہوا۔

جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے امت کی فلاح وبہبود کے لیے اپنے عمل، دعا اور اپنی فکر کے آثار چھوڑے۔

جہاں وحی کا نزول ہوتا رہا۔

جہاں قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے شریعت کی ایک مقدس عملی اور قولی رہنمائی ایک زمانے تک مرتب ہوتی چلی گئی۔

ان مقامات کی زیارت کی اللہ تعالیٰ نے ہم کو توفیق عطا فرمائی، یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے، قرآنِ مجید میں ہے:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۴ (الجمعة)

ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ اپنا فضل جس کو چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں۔

ان مقامات کی زیارت کے فائدے

① ان مقامات کی حاضری کی برکت سے سیرتِ پاک کے بہت سارے ابواب ہمارے علم میں آئے۔

② ان مقامات کی زیارت کی وجہ سے تاریخ، قرآنِ پاک اور احادیثِ مبارکہ کا ہمارے پاس جو علم تھا، اس میں بڑی تقویت حاصل ہوئی۔

③ ان مقامات کا سفر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے صحابہ رضی اللہ عنہم کے عشق اور محبت میں اضافے کا ذریعہ بنا۔

④ اس سے ان حضرات کی عملی زندگی کو اپنی زندگی میں اتارنے کے جذبات بھی پیدا ہوئے۔

اِس وقت جب کہ حکومتِ سعودیہ عمرے کی ویزا میں پورے سعودیہ کی ویزا بھی فراہم کر رہی ہے تو ہم لوگوں کو اس موقع کا فائدہ اٹھا کر اچھی نیت کے ساتھ ان متبرک مقامات کی زیارت کا فائدہ اٹھا لینا چاہیے؛ کیوں کہ یہ مقامات ہمارے ایمانی رشتے کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا عطا فرماوے، آمین۔

نوٹ: اس کارگزاری کے فوٹو اور ویڈیو دیکھنے کے لیے ہماری یوٹیوب چینل "Noorani Makatib Official" کو ملاحظہ فرمائیں۔

فوٹو اور ویڈیو میں اس بات کا پورا لحاظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کسی جاندار کی تصویر نہ آجائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

وکٹوریا آبشار کی کارگزاری
(Victoria Waterfalls)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَامُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَشَفِیْعَنَا وَحَبِیْبَنَا وَاِمَامَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَذُرِّیَّاتِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَھْلِ طَاعَتِہٖ، وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً، اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَی الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِہٖ زَرْعًا تَاْکُلُ مِنْہُ اَنْعَامُھُمْ وَاَنْفُسُھُمْ ۭ اَفَلَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ (الم السجدۃ)

ترجمہ: اور کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم پانی کو کھینچ کر (یعنی چلا کر) خشک (چٹیل) زمین تک پہنچا دیتے ہیں، پھر ہم اس (پانی) کے ذریعہ سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جس میں سے ان کے جانور اور وہ خود بھی کھاتے ہیں، تو کیا وہ لوگ دیکھتے نہیں؟۔

تمہید

اِس سال ۲۷، ۲۸ رشعبان ۱۴۴۳ھ، مطابق: ۳۰، ۳۱ر مارچ ۲۰۲۲ء بدھ اور جمعرات کے دن افریقہ کے ایک ملک زامبیا میں مشہور ''وکٹوریا آبشار'' (Victoria falls) دیکھنے کا موقع ملا، واقعی یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عجیب وغریب قدرت کا نمونہ ہے۔

کورونا کی پابندیوں کے بعد زامبیا اور ملاوی اور وہاں سے رمضان میں عمرہ کرتے ہوئے بارڈولی واپسی کا یہ دینی ودعوتی سفر تھا۔

بمبئی سے لوساکا (Lusaka)

بمبئی سے لوساکا (زامبیا) کا سفر حبشہ (Ethiopian) ائیر لائن سے ہوا، دیکھا تو ہوائی جہاز پر ''نجاشی'' لکھا ہوا تھا، اس سے بہت خوشی ہوئی۔

''لوساکا'' شہر میں میرے میزبان مرحوم بھائی گورا موٹا کے صاحب زادے: مولانا سلیمان صاحب اور ان کے بہنوئی مولانا ابرار صاحب اور ان کے اہلِ خانہ ہیں، بندے کی سب سے پہلی افریقی ملکوں میں حاضری زامبیا ہی کی ہے، دار العلوم ''لوساکا'' کے اول ختمِ بخاری میں میرے مشفق و محسن، شیخ المشائخ حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ کی معیت میں حاضری ہوئی تھی، الحاج ابراہیم بھائی میزا ہمارے اس سفرِ اول کے میزبان تھے، اس کے بعد جب بھی زامبیا حاضری ہوئی تو محترم مرحوم بھائی گورا موٹا اور ان کے اہلِ خانہ بڑی خدمت کرتے ہیں، اور اب وہ دنیا میں نہیں ہے تو ان کے صاحب زادے: مولانا سلیمان صاحب کی پر کیف میزبانی سے محظوظ ہونے کی سعادت حاصل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

''لوساکا'' سے نکل کر راستے میں صبح کفو (Kafue) میں محترم الیاس بھائی کے گھر ناشتہ کیا اور اس کے بعد آبشار کی طرف ہم روانہ ہوئے۔

ویسے زامبیا ملک قدرتی جنگل اور جنگل کے اندر بے شمار عجیب وغریب جانور کے لیے بہت مشہور ہے، لوگ یہاں مستقل سفر کر کے جنگل میں جانوروں کے ساتھ رہنے اور نظارہ کرنے کے لیے آتے ہیں۔

اس ملک میں چھوٹے بڑے اٹھارہ آبشار موجود ہیں؛ لیکن یہ وکٹوریا آبشار دنیا کا

سب سے بڑا قدرتی آبشار سمجھا جاتا ہے۔

یہ آبشار زامبیا کی راجدھانی لوسا کا شہر سے تقریباً چار سو پچاسی (۴۸۵) کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، یہاں جو شہر ہے اس کا نام لیوینگسٹون (Livingstone) ہے، پہلے یہی شہر زامبیا کی راجدھانی تھا، اب لوسا کا شہر اس کی راجدھانی ہے، اِس وقت یہ زامبیا کی سیاحتی (Tourist) راجدھانی سمجھا جاتا ہے۔

قدرتی پردہ کی شکل

یہ آبشار قدرتی پردے کی شکل میں ہے؛ جیسے کسی کھڑکی پر یا دروازے پر دروازہ لگایا گیا ہو اس انداز کا یہ عجیب وغریب قدرتی آبشار ہے، تقریباً دو کلومیٹر اس کی لمبائی ہے اور ۳۵۴ رفٹ اس کی گہرائی ہے، خوب صورت جنگلوں کے درمیان یہ واقع ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم کہ کب سے یہ آبشار قائم ہے۔ مشہور یہ کیا گیا ہے کہ ڈیوڈ لیونگسٹنٹ نامی ایک اسکوٹسٹ (Scotise) آدمی نے اس کو دنیا کے سامنے ظاہر کیا؛ اس لیے اس کا یہ نام ہوا۔

سات عجائبات

ویسے تو دنیا کا ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عجیب نمونہ ہے؛ لیکن لوگوں نے جو دنیا کے سات قدرتی عجائبات نمایاں بتلائے ہیں اُس میں اِس کا بھی شمار ہے۔

یہ آبشار بڑی عجیب وغریب چیز ہے، زامبیا ملک اور زمبابوے ملک دونوں کی سرحد پر یہ واقع ہے، اس کا کافی حصہ زامبیا میں ہے تو کچھ حصہ زمبابوے میں داخل ہے۔

زمبیزی (Zambezi) نام کی ندی- جو جنگلات سے بہتی ہوئی آتی ہے- اس

کا پانی ایک جگہ پہنچ کر نیچے گرتا ہے اور جس سے یہ آبشار اللہ کی قدرت سے وجود میں آیا ہے، اس کا پانی جب ۳۵۴ رفٹ کی گہرائی پر گرتا ہے تو نیچے گرنے کے بعد پھر سے فضاؤں میں بہت اونچے تک اڑتا ہے، تقریباً بیس کلومیٹر کی دوری سے فضاؤں میں اٹھتا ہوا اس کا پانی صاف صاف دیکھا جاتا ہے۔

جب فضا کھلی ہو، غبار نہ ہو تو اس وقت دور سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خوب صورت سفید بادل بنے ہوئے ہیں؛ لیکن حقیقت میں وہ پانی ہوتا جو فضاؤں میں اڑتا ہے، یہ پانی جو اچھل کر اطراف میں اڑتا ہے تو گویا وہ ایک فوارہ جیسا ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے آس پاس بہت ہی شاندار ہریالی ہے، ایک تو قدرتی ہریالی، مزید اس قدرتی فوارے کی وجہ سے ہریالی، اس کو برساتی جنگل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس آب شار کی وجہ سے بجلی بھی بنائی جاتی ہے۔

وہاں ماحول پورا ٹھنڈا، پر کشش، ذہن اور دل ودماغ کو تازگی دینے والا ہوتا ہے۔

آس پاس کی ہریالی اور پہاڑیاں اور یہ قدرتی پانی کا نظارہ انسان کے دل دماغ کو تازگی فراہم کرتا ہے، ایسی تازگی کہ پھر انسان تازہ دم ہو کر عبادت اور نیک کام میں مزید مستعد اور تیار ہو سکتا ہے۔

پانی کا عجیب وغریب رنگوں کا نظارہ

اس آبشار کی کچھ عجیب وغریب خصوصیات ہے:

① ایک خصوصیت یہ ہے کہ: دو کلومیٹر کی لمبائی میں پردے کی شکل میں مسلسل تیز گرنے والے اس پانی میں کہیں تو سنہرا (گولڈن) رنگ نظر آتا ہے، جب کہ اکثر جگہوں پر سفید صاف شفاف یا تو نیلا پانی نظر آتا ہے، اندازہ لگائیے! کہیں گولڈن پانی، کہیں

نیلا پانی، کہیں صاف صفاف سفید پانی، عجیب اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نظارہ ہمیں دیکھنے کو ملتا ہے، انسان اس پانی کو دیکھتا ہے تو بے ساختہ زبان پر قرآن کی یہ آیت جاری ہوتی ہے:

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ (المؤمنون)

ترجمہ: سو بڑی شان ہے اللہ تعالیٰ کی جو سب بنانے والوں میں سب سے اچھے بنانے والے ہیں۔

پانی کا تیز بہاؤ اور عجیب پتھر

② دوسری خصوصیت یہ ہے کہ: اتنا تیز پانی بہہ رہا ہے؛ لیکن اس کے باوجود جس جگہ آبشار ہے؛ یعنی پانی کے گرنے کی عین جگہ صدیوں سے پتھر اطمینان سے کھڑے ہوئے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ کسی نے یہ پتھر اٹھا کر میز اور ٹیبل کی شکل میں رکھے ہوئے ہیں، اتنی اونچائی سے اتنا تیز لاکھو کروڑوں لیٹر پانی گرنے کے باوجود وہ پتھر صدیوں سے ایسے ہی رکھے ہوئے ہیں، پانی اس کو ہلا تک نہیں سکا، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔

پتھر بھی عجیب وغریب ہیں، ایسے تراشے ہوئے اور ایسے چھیلے ہوئے ہیں جیسے بریڈ کاٹ کر ایک پر ایک سجادی گئی ہو؛ گویا بریڈ کی سلیقے سے کٹی ہوئی سلائس کی طرح یہ پہاڑیاں کھڑی ہیں جس سے اس کے پانی کا حسن وجمال اور بڑھ جاتا ہے۔

پانی کے تیز بہاؤ میں پتھروں پر عجیب جمے ہوئے درخت

③ مزید اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھیے کہ جہاں سے پانی نیچے گرتا ہے وہاں پر پتھر میں چھوٹے چھوٹے درخت تو کہیں بڑے بڑے درخت اگے ہوئے ہیں، اتنے تیز

پانی میں پتھر پر درختوں کا اگنا اور درختوں کا جم کر رہنا یہ بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عجیب وغریب قدرت ہے۔

عجیب قوس قزح (Rain bow)

④ پھر وہاں پہاڑوں کے بیچ میں جو وادیاں بنی ہوئی ہیں جو پانی کا بہاؤ ہے وہاں بڑے خوب صورت انداز میں الگ الگ جگہوں پر قوس قزح (Rain bow) نظر آتے ہیں، عامتاً دنیا میں کھلی فضا میں آسمان کی طرف یہ قوس قزح نظر آتے ہیں؛ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت کہ زمین کے ساتھ لگے ہوئے یہ سات الگ الگ کلر کے مجموعے نظر آتے ہیں۔

نیچے گرنے کے بعد جو پانی اوپر اڑتا ہے اس کے قریب جانا آسان نہیں، ایک پلاسٹک کی بڑی تھیلی ہر آدمی کو پہننی پڑتی ہے اور مزید اوپر رین کورٹ پہننا پڑتا ہے تب جا کر پانی کے قریب آدمی جا سکتا ہے۔

یہ پانی زمبیزی ندی سے بہہ کر آتا ہے، پھر وکٹوریا آبشار میں نیچے گرتا ہے، پھر یہ جب ندی کی شکل میں بہہ کر آگے بڑھتا ہے تو وہاں قریب میں لیک کریبہ (Lake Kariba) بنایا گیا ہے، وہاں بھی بوٹ ہاؤس اور بڑا عجیب وغریب تالاب تیار ہوتا ہے، پھر زامبیا سے پانی آگے بڑھ کر موزامبیق ملک میں جاتا ہے اور پھر بحرِ ہند (Indian OCEAN) میں جا کر اس کا پانی مل جاتا ہے، تب قرآن کی سورۂ سجدہ کی آیت اور اللہ کی قدرت کا کرشمہ سامنے آتا ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ

مِنۡهُ اَنۡعَامُهُمۡ وَاَنۡفُسُهُمۡ ؕ اَفَلَا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۷﴾ (الم السجدة)

ترجمہ: اور کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم پانی کو کھینچ کر (یعنی چلا کر) خشک (چٹیل) زمین تک پہنچا دیتے ہیں، پھر ہم اس (پانی) کے ذریعہ سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جس میں سے ان کے جانور اور وہ خود بھی کھاتے ہیں، تو کیا وہ لوگ دیکھتے نہیں؟۔

زامبیا اور زمبابوے کے جنگلات میں اللہ تعالیٰ بارش برساتے ہیں جو زمبیزی ندی کے ذریعے سے بہہ کر وہ پانی وکٹوریا آبشار میں گرتا ہے، پھر موزامبیق سے ہوتا ہوا بحرِ ہند میں جا کر ملتا ہے، راستے میں سینکڑوں کلومیٹر تک ہزاروں لاکھوں ایکر کڑوروں بیگھا میں پھیلی ہوئی زمین کو یہ سیراب کرتا ہے، پانی پہنچاتا ہے، کھیتیاں اگتی ہیں، بجلی بنتی ہے اور تالاب کے اندر مچھلی وغیرہ مائی نعمتیں تیار ہوتی ہیں اور کڑوروں انسانوں کی پیاس بجھانے کا یہ ذریعہ بنتا ہے، نہ جانے کتنے جانور اس سے اپنی پیاس بجھاتے ہوں گے:

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ ﴿۱۴﴾ (المؤمنون)

ترجمہ: سو بڑی شان ہے اللہ تعالیٰ کی جو سب بنانے والوں میں سب سے اچھے بنانے والے ہیں۔

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کا عجیب وغریب کرشمہ ہے، وہاں ہر قدم پر بے اختیار اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یقین، ایمان کی تازگی نمایاں ہوتی ہے۔

الحمدللہ! شعبان کے اواخر میں ہمارے بہت ہی محترم ومکرم زامبیا کے چپاٹا شہر میں مقیم، علم اور علما سے محبت کرنے والے: محترم سراج بھائی اور ملاوی شہر میں خادم العلما: بھائی بنیامین صاحب اور مزابقہ (Mazabuka) سے جناب سلیمان بھائی بھگو

(Bhagoo) ان حضرات کے ساتھ ہمارا یہ سفر ہوا، بڑا پر کیف، بڑا پر لطف، قدم قدم پر ذکر، علم اور دین کے مذاکروں والا یہ سفر رہا۔

وہاں جس ہوٹل میں ہم نے قیام فرمایا تھا اس کا نام: ''فلیورس آف انڈیا (Flavours of india)'' تھا

لونگسٹن (Livingstone) شہر میں ایک مسجد کے مکتب میں مغرب کے بعد بڑی شاندار دینی مجلس بھی رہی، عشا کے بعد دیر تک علمی مذاکرے کی مجلس رہی، جامعۃ الاسلامیہ لوساکا کی طلبۂ عزیز کی ایک تبلیغی جماعت تعطیلات میں جو چالیس دن کے لیے نکلی ہوئی تھی، جس میں مختلف ممالک کے طلبہ تھے ان کے ساتھ ہمارا وقت بہت اچھا گزرا، واپسی میں مزابقہ میں بھی دینی علمی مجلس ہوئی۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کے ثمرات، نتائج و برکات کو تا دیر عالم میں جاری و ساری فرمائے، بے شمار نیکیوں کے وجود میں آنے کا ذریعہ بنائے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت، استحضار اور یقین میں ترقی کا ذریعہ بنائے۔

یہ سمجھو کہ دنیوں قانون کے اعتبار سے ایک حیرت انگیز جگہ ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت کا عجیب وغریب کرشمہ بھی ہے۔ ایسی چیزوں کا نظارہ واقعی اللہ کی قدرت اور یقین اور ایمان میں تازگی کا باعث ہے، حقیقت ہے، سو فیصد کوئی انسان ایسی چیز نہیں بنا سکتا، یہ اللہ ہی کی قدرت ہے، اللہ ہی کی قدرت ہے، اللہ ہی کی قدرت ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین